پاکستان کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا بچوں کا مقبول ترین ہفت روزہ

بچوں کا اسلام

1103

ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے

اتوار 22 ربیع الاوّل 1445ھ
مطابق 8-اکتوبر 2023ء

یادِ ماضی

میں بڑا ہو کر کیا بنوں گا؟

القرآن

آپس میں جھگڑو مت!

اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو اور نزاع مت کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمھارا رعب و دبدبہ جاتا رہے گا، اور صبر کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور ان لوگوں کے مشابہ مت ہونا جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھاتے ہوئے نکلے اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے تھے اور اللہ ان کے اعمال کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ (سورۂ انفال۔ آیت ۴۶ اور ۴۷)

الحدیث

باہمی جھگڑا سببِ ہلاکت ہے!

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم تقدیر کے بارے میں ایک دوسرے سے جھگڑ رہے تھے، ہماری یہ حالت دیکھ کر غصے سے آپ کا چہرۂ انور سرخ ہو گیا، پھر فرمایا:

"تمھیں یہی تربیت دی گئی ہے؟ تم لوگوں نے ابھی تک میری بعثت کا مقصد نہیں سمجھا؟ تم سے پہلے لوگ اسی آپس کے جھگڑوں کی وجہ سے ہلاک کر دیے گئے ہیں، میں تمھیں قسم دیتا ہوں کہ آپس میں مت جھگڑا کرو۔" (ترمذی)

سورہ بقرہ کی روزانہ تلاوت

سعید احمد۔ نواب شاہ

سورۃ البقرہ کی تلاوت پر دوام اختیار کرنے والے کے لیے شیخ احمد عیسیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص طویل مدت تک سورۃ البقرہ کی تلاوت کرے گا، وہ اپنی زندگی میں عجیب چیزوں کا مشاہدہ کرے گا۔ اس کا بدن شفایاب ہوگا، اس کے رزق میں اضافہ ہوگا، اس کو شرح صدر نصیب ہوگا اور اس کی عمر میں برکت کا ظہور ہوگا۔

جو شخص کئی ماہ تک روزانہ رات کو سورۃ البقرہ کی تلاوت کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی بیماری کو عافیت میں بدل دے گا۔ اس کی مشکل کو دور کر دے گا، تنگی کو فراخی سے بدل دے گا، ہر طرف سے اس پر برکات کا نزول ہوگا اور وہ اپنی زندگی میں مسرور ہوگا۔

اس سورت کی برکت سے تمھاری جائز خواہشات پوری ہوں گی، تمھیں برکتیں نظر آئیں گی، تمھیں دکھوں اور پریشانیوں سے نجات ملے گی اور تمھاری نیکیاں بڑھیں گی۔

شیخ کہتے ہیں کہ اپنے اندر بیٹھے وہم کے بتوں کو کچل ڈالو اس کلہاڑے سے جو سورۃ البقرہ کی شکل میں تمھارے پاس ہے۔

ان لوگوں سے پوچھ لو جنھوں نے سورہ البقرہ کی تلاوت سے شرح صدر حاصل کیا۔ جنھیں ان کے معاملات میں آسانی ملی، وہ تم سے میری بات کی تائید کریں گے۔

خود الصادق الامین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سورت کی بابت فرمایا:

(مفہوم) سورۂ بقرہ پڑھا کرو کیونکہ اس کا پڑھنا برکت ہے، اور اس کا چھوڑنا حسرت اور بدنصیبی ہے، اور اہل باطل یعنی جادوگر اس پر قابو نہیں پا سکتے۔ نیز اس کی ہر آیت کے نزول کے وقت اسّی فرشتے اس کے جلو میں نازل ہوئے۔ جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے شیطان وہاں سے بھاگ جاتا ہے۔ (ابن کثیر از مسند احمد)

سورۃ البقرہ کی مسلسل تلاوت بندے کو ایسی بھلائیاں نصیب کرتی ہے جس کا وہ اندازہ بھی نہیں لگا سکتا، اور اسے ایسے اشرار سے محفوظ رکھتی ہے جو اس کے علم میں نہیں اور اس کے اندر ایسا نفع ہے کہ کوئی عقلمند اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔

ابتدا میں سورۃ البقرہ کی روزانہ بلاناغہ تلاوت ابتدا میں بہت مشکل ہوتی ہے، اس لیے کہ شیطان جانتا ہے کہ "علم الیقین" کا نفع عظیم ہے۔ اور وہ نہیں چاہتا کہ مسلمان فائدہ اٹھالے، لیکن اگر ابتدائی دس بارہ صفحات کی تلاوت کر لیے جائیں تو اس کے بعد پڑھنے والا چستی و نشاط محسوس کرنے لگتا ہے۔

شیخ کہتے ہیں کہ وہ مسلسل دو ماہ تک دو رکعت میں سورۃ البقرہ کی اور تیسری رکعت میں سورہ الضحیٰ پڑھتے تھے۔ فرماتے ہیں کی اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی برکت سے مجھ پر رزق اور عافیت کے خوبصورت دروازے کھول دیے۔

ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بری نظر اور حسد، محسود (جس کو نظر لگائی جائے یا جس سے حسد کیا جائے) کے جسم میں ٹھوس چیز کی کی طرح موجود ہوتی ہے، مگر سورۃ البقرہ اور معوذتین (آخری دو سورتیں) کی تلاوت کی تکرار سے پگھل کر جسم سے زائل ہو جاتی ہے۔

شیخ کہتے ہیں کہ جس نے سورۃ البقرہ کی تلاوت کو معمول بنایا، اس کے دل کو دائمی خوشی و راحت اور زندگی میں بے شمار خیرات و بھلائیاں نصیب ہوں گی۔

پس ہر مسلمان بچے بڑے کو چاہیے کہ اس سورت سے انس پالے، اس کا شوق دل میں پیدا ہو جائے۔ کہتے ہیں کہ اس سورت کو پڑھنا اور دوسروں کو اس کی ترغیب دینا ایسا صدقہ ہے جو قیامت تک جاری و ساری رہے گا۔

☆☆☆

آپ کتنے پانی میں ہیں؟ (۱۴)

درج ذیل سوالات کے جوابات سوچیے، پھر انھیں ایک کاغذ پر لکھ کر رکھ لیں۔ اگلے ہفتے کے شمارے میں جوابات شائع ہوں گے تو اس سے اپنے جوابات ملا لیجیے۔

آپ کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ آپ کتنے پانی میں ہیں.....!

(۱) حضرت امامہ بنت ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لگتی کیا تھیں؟

(۲) کس صحابی رسول کو شیر نے راستہ بتایا تھا؟

(۳) ہندوستان کی سب سے بڑی مسجد کون سی ہے اور اسے کس نے بنوایا؟

(۴) پاکستان کے کس شہر کو شیروں کا شہر کہا جاتا ہے؟

(۵) مصنوعی ذہانت (AI) سے کیا مراد ہے؟

☆☆☆

آصف مجید

یادِ ماضی

یہ زیادہ پرانی بات نہیں، صرف ۳۵ سال پرانی بات ہے۔ یعنی ۱۹۸۵ء یا ۸۶ء کی بات ہوگی۔ میں پنجاب یونیورسٹی میں پڑھتا تھا، نیو کیمپس ہاسٹل نمبر ۱۱ کمرہ نمبر ۱۴۱ الاٹ تھا، ۸۴ء سیشن تھا۔ دو سال تک کمرہ نمبر ۱۴۱ میں رہا اور پھر سپرنٹنڈنٹ صاحب نے مجھے کمرہ نمبر ۵۰ دے دیا تھا۔ یہ کیو بکل کمرہ تھا۔ ہاسٹل کا سب سے اچھا کمرہ جو سپرنٹنڈنٹ صاحب نے مجھ پر مہربان ہو کر مجھے دے دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ نمازی آدمی تھے۔

ہائیں! کیا مطلب؟ نمازی تھے، اس لیے مجھے وہ کمرہ دے دیا.....؟

بات سمجھ میں نہیں آئی ناں!

جی تو بات یہ تھی کہ یہ کمرہ ہاسٹل کی مسجد کے بالکل سامنے تھا۔ مسجد کا مجھ سے پہلے کوئی مستقل امام نہیں تھا۔ نماز باجماعت کا مسئلہ ہی رہتا تھا۔ جب سے میں ہاسٹل میں آیا تھا تو نماز باجماعت کا اہتمام ہونے لگا تھا۔ مطلب یہ کہ میں امام بن گیا تھا۔

تو پھر سمجھ میں آ گئی ناں بات.....؟

جی ہاں امام کا ہر کوئی احترام کرتا ہے۔

عبدالرحمٰن صاحب سے انہی دنوں دوستی ہوگئی تھی۔ وہ گورنمنٹ کالج میں اکنامکس میں ایم۔اے کر رہے تھے اور نیو ہوسٹل میں رہتے تھے۔ قصور کے تھے۔ وہ اکثر میرے پاس ہی آجایا کرتے تھے۔ کبھی کبھی میں بھی ان کے ساتھ قصور چلا جاتا کرتا۔

وہ مجھے قصور کا فالودہ کھلاتے، پنیاں بھی۔ ان کے والد مرحوم صوفی محمد سعیدؒ صاحب واقعی صوفی انسان تھے۔ قصوری کھیس اور لنگیوں کی دُکان کیا کرتے تھے۔

عبدالرحمٰن صاحب کی والدہ محترمہ شرعی پردے کا اتنا اہتمام کرتی تھیں۔ آپ اندازہ لگائیں کہ آج ان کی عمر تقریباً ۹۰ سال ہوگئی ہے، اب بھی پردہ کرتی ہیں۔

خیر اصل بات کچھ اور ہے، جس کے لیے میں نے اتنی لمبی تمہید باندھی ہے۔

میں نے ایک دن ان کی مسجد میں عجیب بات دیکھی۔

عشا کے بعد کا وقت ہے۔ چار پانچ بابے ایک ٹیپ ریکارڈ کے گرد ادب سے بیٹھے ہیں۔ پہلے ان سب نے ہلکی سی آواز میں درود شریف پڑھا اور پھر ٹیپ آن کر دی۔ بیان شروع ہوگیا۔ تقریباً ایک گھنٹے کا بیان ان سب نے بڑے ادب سے سنا۔ آخر میں دعا کر کے ادب سے ٹیپ ریکارڈ اٹھایا اور گھروں کو رخصت ہو گئے۔

میں نے عبدالرحمٰن صاحب سے پوچھا، یہ کیا چکر ہے.....؟

کہنے لگے کہ آج جمعہ ہے۔ ان میں سے ایک بزرگ لاہور قلعہ گجر سنگھ مولانا اجمل خان صاحبؒ کے پیچھے جمعہ پڑھنے جاتا ہے اور ان کا بیان ریکارڈ کر کے لے آتا ہے اور پھر عشا کے بعد یہ سب بڑے ادب سے وہ بیان سنتے ہیں۔

اللہ اکبر کبیرا!

ادب.....ادب.....ادب.....!

آج تو مرید اپنے شیخ کا بیان بھی اتنے ادب سے نہیں سنتے۔

☆☆☆

تیرے سارے غم دور!

مولانا محمد اشرف۔ حاصل پور

ترمذی شریف اور دیگر کتب حدیث سے ایک ایمان افروز واقعہ پیشِ خدمت ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بار رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھتے ہیں: ”اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں آپ پر کثرت سے درود بھیجنا چاہتا ہوں، بتائیے اپنے اوقاتِ دعا میں سے کتنا وقت اس کے لیے مقرر کروں؟“

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”جتنا تیرا جی چاہے۔“

میں نے عرض کیا: ”یارسول اللہ! ایک چوتھائی مقرر کرتا ہوں۔“

میرے آقا نے فرمایا: ”تجھے اختیار ہے اور اگر اس سے بھی زیادہ کر دے تو تیرے لیے بہتر ہے۔“

میں نے عرض کیا کہ ”نصف کر دوں؟“

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”تجھے اختیار ہے اور اگر اس سے بھی زیادہ کر دے تو تیرے لیے اور بہتر ہے۔“

میں نے عرض کیا کہ ”دو تہائی کر دوں؟“

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”تجھے اختیار ہے اور اگر اس سے بھی زیادہ کر دے تو تیرے لیے اور بہتر ہے۔“

میں نے عرض کیا: ”یارسول اللہ! پھر تو میں اپنی دعا کا سارا وقت آپ کے درود کے لیے مقرر کر دیتا ہوں۔“

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”پھر تو تیری ساری پریشانیاں دور کر دی جائیں گی اور تیرے گناہ بھی معاف کر دیے جائیں گے۔“

سبحان اللہ! تو آپ سب بھی اس فضیلت کو حاصل کر لیجیے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ!

☆☆☆

خط کتابت کا پتا: دفتر روزنامہ اسلام، ناظم آباد، کراچی bkislam4u@gmail.com, 021 366 099 83

ادارہ روزنامہ اسلام کی تحریری اجازت کے بغیر بچوں کا اسلام کی کوئی تحریر کہیں شائع نہیں کی جاسکتی۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق رکھتا ہے۔

سالانہ زرتعاون: اندرون ملک 1500 روپے بیرون ملک ایک میگزین 22000 روپے دو میگزین 25000 روپے انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk

مبین بنتِ اعجاز۔ سیالکوٹ

سکہ رائج الوقت

وسیع وعریض لان کے ایک جانب گھنے پیڑ تلے کرسی بچھائے میں مطالعے میں محو تھا۔ میں اور امتل روز یہیں بیٹھ کر پڑھائی کیا کرتے تھے۔ آج تو موسم بھی انتہائی خوشگوار ہو رہا تھا۔ ٹھنڈی مہکی دھیمی ہوائیں بادلوں کو اپنے سنگ اڑائے عین میرے سر پر لے آئیں تھیں۔ سیاہ گھٹائیں دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ آج بارش خوب برسے گی۔

خیر بارش تو نہیں برسی، البتہ امتل صاحبہ میرے سر پر ایک عدد مصیبت ضرور لیے آ گئیں۔

میں نے اپنی دس سالہ بہن کو دیکھا جو ایک میز پر چھوٹے سے ڈبے میں سکوں کی بڑی سی پوٹلی رکھے خراماں خراماں چلی آ رہی تھی۔

"موسم کتنا پیارا ہو رہا ہے ناں، میں نے سوچا یہاں بیٹھ کر تفریح کرتے ہیں۔"

وہ میز زمین پر رکھتے ہوئے خوشگوار لہجے میں بولی۔

"بھائی! ذرا اندازہ تو لگائیں، میرے پاس کتنے سکے جمع ہو گئے؟"

میز پر اپنی کل جمع پونجی نکالتے وہ مجھ سے مخاطب ہوئی۔

ڈھیر سارے مٹیالے اور سلور رنگ کے ایک، دو، پانچ کے سکے اس کے ہاتھوں سے پھسل کر میز کی سطح پر گر کر کھنک پیدا کر رہے تھے۔

"مجھے نہیں معلوم۔" میں نے منہ بنایا۔

"آپ فرض تو کریں۔

"فی الحال مجھے صرف پڑھائی کرنی ہے، براہ مہربانی میرا وقت ضائع کرنے سے گریز کرو۔"

میں ایسا بھی کوئی پڑھاکو نہیں تھا مگر جس چیز میں دلچسپی ہی نہ ہو اس کے متعلق کوئی کیا بات کرے۔

"ایک سو تیس، یہ آج پورے ایک سو تیس ہو گئے ہیں.....!"

اس کے خوش وخروش سے کہنے پر مجھے ہنسی آ گئی۔

اس کے سکے جب بھی بیس تیس جیسے جفت اعداد کی گنتی میں آتے تو وہ یونہی خوش ہوا کرتی تھی۔ سکے جمع کرنا اس کا شوق تھا اور اپنے فارغ وقتوں میں انھیں بکھیرنا اس کا مشغلہ۔

یہ شوق اس نے اپنی اسکول کینٹین سے چرایا تھا، جہاں بڑے کاغذی نوٹ کی طرح چھوٹے چھوٹے کاپر میٹل کے سکوں کا استعمال بھی عام تھا۔ اس سے پہلے کم ہی امتل کو سکے دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا سو وہ انھیں مالِ غنیمت سمجھ کر سنبھالنے لگی، اور اب رائج الوقت تمام سکے اس کے پاس کافی تعداد میں موجود تھے، جنھیں وہ نہ صرف جمع کرتی بلکہ ان سے مختلف کھیل بھی کھیلتی۔

مگر مجھے نجانے کیوں ہمیشہ اس کے سکوں سے عجیب چڑ محسوس ہوتی تھی، خاص طور پر تب جب وہ انھیں میز پر پھیلائے کھیل رہی ہوتی تو مجھے ان کی کھنکتی آوازیں بیزار کرتی تھیں اور تب تو مجھے غصہ ہی آ جاتا جب وہ مجھے سکے تھما کر کہتی کہ بھائی بازار سے فلاں چیز لا دیں۔

آپ ہی بتائیں، ایک اچھے گھرانے سے تعلق رکھنے والا چودہ سالہ لڑکا کچھ سکوں کے عوض خریداری کرتا اچھا لگے گا؟

نہیں ناں! تو بس میں بھی یہی سوچتا اور سکے واپس اس کی ہتھیلی پر رکھ دیتا اور وہ منہ پھلا لیتی۔

ویسے بھی امتل کو اپنے سکوں کی تحقیر سب سے زیادہ میری طرف سے ہی برداشت کرنا پڑتی۔ میرا چڑنا، طنز کرنا، آئے دن اس کے غریب مال کی شامت آئی رہتی اور ایسے ہی ایک دن میری بھی شامت آ گئی۔

اُس دن میں اور امتل پڑھائی کر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد امتل اپنا کام ختم کرنے کے بعد ہمیشہ کی طرح اپنے سکوں کی نمائش لگا کر بیٹھ گئی۔ وہ سکوں کو جوڑ کر مختلف ممالک اور جگہوں کے نقشے بناتی تھی۔ مٹاتی تھی پھر سے بناتی تھی۔ اس نئے مشغلے کی کوئی حد نہ تھی۔

پڑھتے پڑھتے میں اس کے تیزی سے چلتے ہاتھ دیکھنے لگا، تب اچانک مجھے شرارت سوجھی۔ میں آگے بڑھا، اس کا بنایا گیا نقشہ توڑتے ہوئے ایک سکہ اٹھایا اور دور ہوا میں اچھال دیا۔

"میرا سکہ.....!" وہ چلائی۔

"وہ تو اب گم ہو گیا۔" میں نے ہاتھ جھاڑے۔

"بھائی! میرا سکہ مجھے واپس چاہیے۔"

"خوب، تو پھر یہ بھی جان لو بیٹا کہ نعمت چھوٹی ہو یا بڑی، نعمت حقیر نہیں ہوتی۔ اگر مال نعمت ہے تو سکہ بھی اس نعمت کا ایک حصہ ہے، کیونکہ وہ مال ہے، وہ ضرورت ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ رائج الوقت ہے۔

وہ تن کر کھڑی ہوگئی۔

''امتل! وہ ایک سکہ ہی تھا جو اب گم ہو چکا، اب باقی سب سکے اٹھاؤ اور واپس کمرے میں رکھ آؤ..... شاباش۔''

میں لاپروائی سے کہتا اپنی جگہ پر ٹک گیا، مگر وہ لان کے اس حصے کی جانب دیکھنے لگی جہاں کیاری کی لمبی گھاس میں وہ سکہ روپوش ہو چکا تھا۔

''بھائی! مجھے میرا سکہ ڈھونڈ کر دیں، ورنہ میں نانا ابا سے آپ کی شکایت کروں گی۔''

امتل مجھے معاف کرنے کو تیار نہ تھی۔

اُن دنوں نانا ابا ہمارے گھر آئے ہوئے تھے اور امتل کے سکے سنبھالنے والی بات انھیں اتنی پسند آئی تھی کہ اپنے زمانے کے تحفے میں ملے ہوئے سکے بھی جو انھوں نے برسوں سے سنبھال رکھے تھے، پانچ پیسہ، پچیس پیسہ، پچاس پیسہ، کچھ آنے اور ایک دس روپے کا سبز رنگ نوٹ جس پر بابِ خیبر کی تصویر تھی، انھوں نے بخوشی امتل کو دے دیے تھے اور سکوں کی قدر پر اسے خوب سراہا بھی تھا۔

بھلا اِن بے قیمت حقیر سکوں کی قدر پر اتنا سراہنے کی کیا وجہ تھی؟ مجھے ان کی بات عجیب لگی تھی۔ آج کے دور کا سکہ اِس دور کی سب سے حقیر شے تھا لیکن اس بات سے گویا نانا نواسی دونوں بے نیاز تھے۔

اب امتل کو اپنے دفاع کے لیے نانا ابو مل گئے تھے۔ اب بھی اس نے مجھے ان کے نام سے دھمکانے کی کوشش کی تھی اور کچھ ہی دیر میں اس کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا تو اس نے سچ مچ نانا ابا کو آواز دے دی۔

''کیا ہوا ہے امتل بیٹا؟''

نانا ابا کی آمد پر میں گھبرا گیا۔

''نانا ابا! بھائی نے میرا سکہ جان بوجھ کر پھینک دیا ہے اور اب مجھے ڈھونڈ کر بھی نہیں دے رہے۔''

''بری بات ہے سیف! تم نے ایسی شرارت کیوں کی؟'' نانا ابا خفگی سے بولے۔

''معذرت چاہتا ہوں نانا ابا! مجھے امید نہیں تھی کہ امتل صرف ایک سکے کی خاطر مجھ سے اس طرح پیش آئے گی؟ آپ نے دیکھا، میری بہن ندیدوں کی بھی سردار ہے، ورنہ بھلا کوئی ایک سکے کی اتنی پروا کرتا ہے؟''

''وہ صرف ایک سکہ نہیں تھا ایک سو تیس میں سے دو کم ہو گئے۔''

امتل کا دکھ کم نہیں ہو رہا تھا۔

''پھر سے ایک سو تیس ہو جائیں گے۔'' میں نے چڑ کر کہا۔

''پھر سے ایک سو تیس تو ہو جائیں گے بیٹا! لیکن جو ایک سکہ آپ نے گنوا دیا ہے وہ تو ان میں شامل نہیں ہو سکے گا ناں۔''

نانا ابا کی بات پر میں چپ سا ہو گیا۔

''نانا ابا! آپ بھائی کو کہیں ناں کہ یہ سکہ ڈھونڈ کر لائیں۔ بھائی ہمیشہ میرے سکوں کے ساتھ برا سلوک کرتے ہیں۔''

''بالکل، مجھے اندازہ ہو رہا ہے اور سیف بیٹا! میں تو آپ کو بہت سمجھدار سمجھتا تھا پھر ایسی احمقانہ حرکت کا کیا مقصد ہے؟ آپ سکوں کو حقیر سمجھتے ہیں، ٹھیک ہے سمجھیں، یہ آپ کی سوچ ہے لیکن اسے خود تک محدود رکھیں، کیونکہ ہو سکتا ہے وہی حقیر چیز کسی دوسرے کے لیے قیمتی متاع ہو۔ کچھ دن قبل بھی جب امتل نے آپ سے پیسٹری منگوائی تھیں تو آپ بنا امتل کی اجازت کے اپنے لیے بھی ایک پیسٹری خرید لائے کیونکہ جو پانچ کا سکہ واپس بچا تھا اسے آپ نے حقیر جان کر واپس کرنا ضروری نہیں سمجھا اور آج بھی بنا سوچے سمجھے ایک سکہ اچھال دیا۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے دونوں دفعہ کسی کا حق مارا ہے؟''

وہ بہت سنجیدگی سے پوچھ رہے تھے۔

''میں نے ایسا نہیں چاہا تھا نانا ابا۔''

میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ بات اتنی سنجیدہ ہو جائے گی۔

''آپ نے نہیں چاہا لیکن ایسا ہی ہوا، اب آپ کو سزا تو ملنی چاہیے، آپ کہیں سے بھی سکہ ڈھونڈ کر لائیں، ہمیں ہمارا مال ہر حال میں واپس چاہیے، میں اور امتل کمرے میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔''

وہ امتل کا ہاتھ پکڑ کر اندر چلے گئے۔

میں نے بے بسی سے کیاری کی جانب دیکھا مگر سکہ مجھے کہیں نظر نہیں آیا۔ ہرے بھرے اتنے بڑے لان میں جس کی گھاس بھی کافی بڑی ہو چکی تھی، ایک سکہ ڈھونڈنا بہت مشکل تھا۔

میں سوچنے لگا کہ اب کیا کروں؟ اسی شش و پنج میں تھا کہ امی جان نے پکارا:

''سیف! ذرا قریبی دکان سے دو انڈے لا دو۔''

میں ان سے پچاس روپے لے کر محلے کی دکان پر چلا گیا۔

دکاندار سے دو انڈے خریدے۔ پیسوں کی ادائی کے بعد جب میں واپس پلٹنے لگا تو بے اختیار ٹھٹکا۔

میرے ہاتھ میں دو انڈے تھے۔ ایک انڈے کی قیمت تیئس روپے تھی تو دو کی قیمت چھیالیس روپے ہوئی۔ پچاس میں سے چار روپے بچ رہے تھے، یعنی میں امتل کا سکہ آسانی سے اسے لوٹا سکتا تھا۔

''کیا ہوا؟'' دکان دار نے مجھے رکتا دیکھ کر پوچھا۔

''میرے باقی پیسے۔''

زندگی میں پہلی بار میں نے باقی پیسوں کے متعلق پوچھا تھا۔

رحیم چاچا تو اکثر بچے ہوئے سکوں کے عوض کھٹی میٹھی ٹافیاں دے دیتے تھے، مگر آج دکان پر اُن کا بیٹا تھا، وہ شاید بھول گیا یا شاید وہ بھی میری طرح سکوں کی اہمیت نظر انداز کر چکا تھا۔

''کتنے پیسے؟'' وہ دوبارہ میرے دیے ہوئے نوٹ نکال کر گننے لگا۔

''چار روپے۔''

الفاظِ ترتیب

حافظ سید بلال احمد۔ گلستان سوسائٹی، کراچی

ہندوستان میں ایک بہت بڑا مشاعرہ تھا جس میں دو بڑے بڑے نامی گرامی شاعر بھی مدعو تھے۔ ایک شاعر کا لقب 'شیرِ ہند' تھا جب کہ دوسرے شاعر کے نام کے ساتھ 'فخرِ دہلی' کا لقب تھا۔ خیر جب مشاعرہ منعقد ہوا اور دونوں شعرا آمنے سامنے ہوئے تو وہ شاعر جن کا لقب فخرِ دہلی تھا انھوں نے شہرِ ہند کی طرف دیکھتے ہوئے ازراہِ مذاق کہا کہ بھئی یہ شیرِ ہند کا بس ''یا'' ہٹا دو تو 'شرِ ہند' رہ جاتے ہیں اور یہ نام آپ پر بالکل صادق آتا ہے۔

مجمع خوب ہنسا۔

شیرِ ہند نے فوراً جواب دیا: ''اگر بات ایسی ہے تو میں 'فا' ہٹا دیتا ہوں تو آپ خرِ دہلی بن جاتے ہیں!

اس دندان شکن جواب پر تو وہ شور مچا کہ الامان والحفیظ!

اس سے پہلے کہ یہ لفظی جنگ مزید بڑھتی، ایک معاملہ فہم شاعر نے بڑی متانت سے یہ کہہ کر گویا بات ختم کر دی:

''اگر آپ دونوں کو ایک دوسرے کے یہ القاب پسند نہیں ہیں تو آپ دونوں الفاظ کے حذف کرنے کے بجائے ان الفاظ کو ایک دوسرے سے تبدیل کر لیں، یعنی شرِ ہند کی حذف شدہ ''ی'' خرِ دہلی کو دے دی جائے اور خرِ دہلی کا حذف شدہ ''ف'' شرِ ہند کو دے دیا جائے تو ایک 'شرف' ہند ہو جائے گا اور ایک 'خیر' دہلی.....!

☆☆☆

میری بات پر اس کے ہاتھ رک گئے اور وہ ہنسا۔
مجھے اس کے انداز میں استہزا نظر آیا۔
''ہاں بولو، کیا خریدو گے چار روپے کا؟'' اس نے کہا۔
''مجھے کچھ نہیں خریدنا، بس پیسے واپس کر دیں۔'' میں نے ہمت سے کہا۔
''بھئی میرے پاس کھلے نہیں ہیں، یہاں سے کچھ بھی لے لو۔''
بیزاری سے کہتے ہوئے اس نے میرے سامنے ٹافیوں اور چیونگم کے ڈھیر سارے پیکٹس لہرائے۔
''اگر آپ کے پاس ابھی نہیں ہیں تو کوئی مسئلہ نہیں، میں بعد میں آ کر لے جاؤں گا۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔
''سنولڑکے! کیوں بلاوجہ کی بحث لگا رکھی ہے، ہماری دکان میں سکے اس سے پہلے تم نے کبھی دیکھے ہیں؟''
وہ میرے حق جتانے پر چڑ گیا، جیسے میں امتل سے چڑتا تھا۔
''لیکن سکے دکان پر رکھنے میں کیا حرج ہے؟ تیئس روپے کے انڈے میں بھی تو تین سکے ہوتے ہیں تو بقایا سکے دکان میں بھی تو ہونے چاہییں۔'' میں نے رسانیت سے کہا۔
''ہم نہیں رکھیں گے تو تم کیا کر لو گے؟ بلکہ تم آتے ہی کیوں ہو یہاں؟''
وہ غصہ کرنے لگا، خیر میں بھی تو ایسے ہی کرتا تھا۔
''میں آپ سے جھگڑا کرنے نہیں آیا، میں نے تو صرف اپنا جائز حق مانگا ہے، میرے سکے میرا حق ہیں۔''
اپنا آخری جملہ بولنے کے بعد میں وہاں نہیں رکا تھا، تیز قدموں سے چلتا میں گھر آ گیا۔
گھر میں قدم رکھتے ہی وہ دو روپے کا سکہ پھر سے میرے حواس پر سوار ہو گیا۔ وہاں تو میں اپنا حق جتا آیا تھا لیکن یہاں بھی کچھ حق دار میرے منتظر تھے۔
میں پیر گھسیٹتا دوبارہ لان میں آ گیا، تبھی میری نگاہ کیاری کے گرد رکھے قطار نما گملوں کے درمیان پڑی اور عین وہیں مجھے سکہ پڑا ہوا نظر آ گیا۔
میں فوراً آگے بڑھا، ایک گہرا سانس بھرتے ہوئے سکہ اٹھایا اور نانا ابا کے کمرے کی جانب آ گیا جہاں امتل صاحبہ میری ہی راہ دیکھ رہی تھیں۔
''یہ رہا آپ کا قیمتی خزانہ!''
میں سب بھول کر دوبارہ پہلے والی ٹون میں آ گیا۔
''مل گیا؟'' نانا ابا حیرت سے بولے۔
''جی ہاں! میں ڈھونڈ لایا ہوں۔''
میں نے ڈھٹائی سے کہتے ہوئے امتل کو شرمندہ کرنا چاہا مگر وہ دوبارہ سے اپنے سکوں کی دنیا میں مگن ہو چکی تھی۔
''کیف! کیا تم نے سوچا تھا کہ جس سکے کو حقیر سمجھ کر تم نے اچھال دیا تھا، اس کی وجہ سے تمھارا اتنا وقت برباد ہو گا اور تمھیں ایک عدد ڈانٹ سے بھرپور لیکچر بھی سننا پڑے گا؟''
نانا ابا نے مجھ سے سوال کیا۔
میں نے سر نفی میں ہلا دیا، جو آج ہوا اس کا تجربہ مجھے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔
''کیا تم سکے کو نوٹ کا ایک حصہ نہیں سمجھتے؟''
انھوں نے مجھ سے پوچھا۔
میں ایک لمحے کو الجھا، پھر میں نے جھکا ہوا سر اثبات میں ہلا یا۔
''جی ہاں ایسا ہی ہے۔''
''نوٹ مال ہوتے ہیں اور مال کیا ہوتا ہے؟''
''ہمارا حق۔'' میں نے بے ساختہ کہا، فی الوقت یہی لفظ میرے ذہن میں تھا۔
''یہ حق ہمیں کس نے دیا.....؟''
''اللہ تعالیٰ نے۔''
کیا تم سمجھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جو حق دیتا ہے وہ اس کی طرف سے عطا کی گئی خاص نعمت ہوتی ہے؟''
''بالکل اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو بھی دیا، عزت، محبت، دولت وہ سب اللہ تعالیٰ کی ہم پر خاص نعمتیں ہیں۔'' میں نے بتایا۔
وہ مسکرائے۔ ''خوب، تو پھر یہ بھی جان لو بیٹا کہ نعمت چھوٹی ہو یا بڑی، نعمت حقیر نہیں ہوتی۔ اگر مال نعمت ہے تو سکہ بھی اس نعمت کا ایک حصہ ہے، کیونکہ وہ مال ہے، وہ ضرورت ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ رائج الوقت ہے۔ پسِ پشت اُن چیزوں کو پھینکا جاتا ہے جو منسوخ کر دی جائیں، جن کا خاتمہ ہو جائے، لیکن محض چھوٹا ہونے کی وجہ سے چیزوں کو پسِ پشت نہیں پھینکا جاتا، کیونکہ وہ اپنے وقت کا ایک حصہ ہوتی ہیں۔ ہمارے زمانے کے جو سکے اور نوٹ تھے، وہ اب منسوخ ہو چکے، انھیں آپ اہم جانو یا غیر اہم لیکن جو آپ کے وقت کی چیز ہے وہ آپ پر نعمت ہے، اس کا احترام آپ پر لازم ہے۔ وہ چاہے ایک سکہ ہی کیوں نہ ہو اسے بلا جھجک استعمال کرو۔ وہ تب تک قابلِ استعمال ہے جب تک آپ اس سے کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہو، جب تک اس پر اولوالامر کے دستخط باقی ہیں وہ باقی رہیں گے، کیا آپ سمجھ رہے ہیں؟''
بولتے ہوئے انھوں نے مجھے مخاطب کیا۔
میں نے سر ہلایا۔
میں بہت غور سے ان کی باتیں سن رہا تھا جنھوں نے گویا مجھے خواب غفلت سے جگا دیا تھا۔ ایک نئے جذبے، اک نئی امید نے میرے اندر آنکھ کھولی تھی۔ میرا ضمیر مجھے جھنجھوڑ رہا تھا۔
اور جب اگلے دن میں دکان پر گیا تو دکان دار مجھے دیکھتے ہی مسکرایا۔
''یہ لیجیے آپ کا حق۔''
اس نے چار سکے میری ہتھیلی پر رکھے۔
اس کا انداز ویسا ہی تھا جیسے کہہ رہا ہو: 'یہ رہا آپکا قیمتی خزانہ!'
میں بے ساختہ مسکرا دیا اور اس کا شکریہ ادا کیا۔
دکاندار نے بھی کل کے رویے پر معذرت کی اور ایک بڑا سا سکوں سے بھرا ڈبہ میرے سامنے لہرایا۔ ''تمھارا حق آئندہ کے لیے بھی محفوظ کر لیا ہے۔''
اس کی بات پر میں ہنس دیا۔
''نہ اس سے پہلے کبھی گاہکوں نے شکوہ کیا اور نہ ہم نے غور کیا کہ ایک ایک دو دو روپے کا حق ہم دوسروں کا لیتے رہے ہیں۔''
وہ کہہ رہا تھا اور اس کی بات مجھ سے بہتر کون سمجھ سکتا تھا۔
میں نے افسوس سے سر ہلا دیا۔
اور پھر پہلی دفعہ سکے دیکھ کر مجھے امتل یاد نہیں آئی تھی بلکہ انھیں قیمتی سمجھ کر میں نے اپنی مٹھی میں سمیٹ لیا۔ یہی اُن کا حق تھا۔ سکہ رائج الوقت کا حق۔ ہر بندہ رائج الوقت پر ہے اور نانا ابا کا وہ جملہ مجھے یاد تھا:
''نعمت چھوٹی ہو یا بڑی، نعمت حقیر نہیں ہوتی!''

(خصوصی طور پر بچوں کا اسلام کے نوعمر قارئین کے لیے سہل اور عام فہم انداز میں تلخیص کیا گیا!)

میرحجاز

اختر حسین عزمی

گندم کی بوری اٹھائے حکیم بن حزام کا غلام آگے آگے چل رہا تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے حکیم بن حزام آ رہا تھا۔ دونوں کا رخ شعب ابی طالب کی طرف تھا کہ اچانک ابوالحکم عمرو بن ہشام اُونٹ پر سوار راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور ڈانٹنے کے انداز میں حکیم بن حزام سے کہنے لگا: ''مجھے پتا چل گیا ہے کہ قوم کے متفقہ فیصلے کے خلاف تم بنو ہاشم کو یہ گندم پہنچانے کے لیے لے جا رہے ہو۔ یہ گندم تمھیں میں نہیں لے جانے دوں گا۔''

''یہ گندم میں بنو ہاشم کے لیے نہیں اپنی پھوپھی خدیجہؓ بنت خویلد کے لیے لے جا رہا ہوں، جو بنو ہاشم کی بجائے میرے خاندان بنو اسد کی بیٹی ہے۔''

''لیکن وہ قوم کی مخالفت میں بنو ہاشم کے ساتھ ہے ناں۔'' عمرو بن ہشام نے کہا۔

حکیم بن حزام نے عمرو بن ہشام کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اسی تو تکار کے دوران قریش کا ایک اور سردار ابوالبختری بھی آ گیا۔ اس نے ابوجہل سے پوچھا:

''تمھیں اسے روکنے کا کیا اختیار ہے؟''

''میں اسے کیوں نہ روکوں؟ یہ غلّہ بنو ہاشم کی طرف لے جا رہا ہے۔''

''یہ اس کی پھوپی کی گندم تھی جو حکیم کے پاس رکھی ہوئی تھی۔ اب اس کی پھوپی نے گندم منگوائی ہے تو وہ اسے اس کی چیز پہنچانے جا رہا ہے، تمھیں اسے روکنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ اس کی راہ سے ہٹ جاؤ۔''

ابوجہل اڑ گیا، دونوں دست و گریباں ہو گئے۔ ابوالبختری نے قریب ہی پڑی اُونٹ کی ہڈی دیکھی اور اسے اٹھا کر ابوجہل کے سر میں دے مارا۔ اس سے اس کا خون بہنے لگا۔ ابوالبختری نے ابوالحکم کو اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا اور اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا۔

قریب کھڑے حمزہ بن عبدالمُطلّب یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ جب ان دونوں کی نظر حمزہ پر پڑی تو وہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔

بنو ہاشم کے عزیزوں اور کچھ نیک دل قریش کی طرف سے غذائی تعاون کی یہ کوششیں اتنی نہ تھیں کہ محصورین کی تمام غذائی ضروریات کو پورا کرتیں۔ خوراک کی اتنی کمی تھی کہ جھاڑیوں کے پتے کھا کر گزارہ کیا گیا۔ بکریوں کی مینگنیوں کی طرح خشک قضائے حاجت ہوتی۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بنو ہاشم سے تو نہیں تھے لیکن اپنے نبی کریم کی مشکل کو اپنی مشکل سمجھ کر بنو ہاشم سے اظہارِ یکجہتی کے لیے شعب میں رہتے تھے، ایک رات بہت بھوکے تھے۔ اندھیرے میں ان کا پاؤں کسی گیلی چیز پر آ گیا۔ اسے اٹھا کر انہوں نے منہ میں ڈالا اور نگل لیا یہ دیکھے بنا کہ وہ کیا چیز ہے۔ ایک دن پیشاب کرنے کے لیے نکلے۔ ایک جگہ دیکھا کہ اُونٹ کے خشک چمڑے کا ایک ٹکڑا پڑا ہے۔ انھوں نے اسے دھویا، پھر جلایا، پھر اسے کوٹا اور پیسا، پھر اسے پانی میں ملا دیا اور تین دن تک اسے کھاتے رہے۔

ان مصائب و آلام کے باوجود پیغمبرِ اسلام کے عزم میں کمی آئی نہ خاندان کے کسی فرد نے بے صبری کا مظاہرہ کیا۔ جب بھی حرمت و امن والے مہینے آتے آپ شعب سے باہر نکلتے اور حجاج و زائرین کو دینِ اسلام کی دعوت دیتے۔ ابتلا و آزمائش کا یہ دور بعثت نبوی کے ساتویں سال شروع ہوا تھا اور اب بعثت کا دسواں سال گزر رہا تھا۔

☆.....☆

''اے زہیر! کیا تم اس بات پر خوش ہو کہ تم کھاؤ پیو، دیدہ زیب لباس پہنو اور تمھارے ماموؤں کا یہ حال ہو کہ وہ ہم سے نہ کوئی چیز خرید سکیں، نہ ادھار مانگ سکیں نہ وہ اپنے بچے بچیوں کی شادیاں کر سکیں۔ بھوکے ننگے خستہ حال زندگی کے دن پورے کر رہے ہوں۔''

ہشام بن عمرو عامری اپنے دوست زہیر بن امیہ مخزومی سے بات کر رہا تھا جس کی والدہ عاتکہ عبدالمُطلّب کی بیٹی اور ابوطالب کی بہن تھیں، جبکہ زہیر ☆مشہور دشمن اسلام عمرو بن ہشام کا چچازاد تھا۔

(ام المومنین حضرت ام سلمیٰ انہی زہیر کی سگی بہن تھیں جو ابتدائی مسلمانوں میں سے تھیں اور ان دنوں حبشہ میں تھیں۔)

ہشام عامری بھی بنو ہاشم سے قرابت اور محبت کا تعلق رکھتا تھا اور گاہے بگاہے محصورین کو غلّہ اور دیگر ضروریات چوری چھپے بھیجتا رہتا تھا اور قریش نے اس بات پر اس سے کئی مرتبہ جھگڑا بھی کیا تھا جس کا اسے رنج بھی تھا اور عزیزوں سے ہمدردی بھی۔

(عمرو بن ہشام مشہور دشمن اسلام ابوجہل کا اصل نام ہے جو قریش میں ابوالحکم کے نام سے جانا جاتا تھا جبکہ ہشام بن عمرو بنو عامر خاندان کے تھے جو بنو ہاشم کے رشتے دار اور خیر خواہ تھے اور بعد ازاں مسلمان بھی ہوئے!)

''افسوس اے ہشام!'' زہیر بڑے دکھی لہجے میں گویا ہوا:

''میں تنہا ہوں، اکیلا کیا کر سکتا ہوں۔ خدا کی قسم اگر کوئی دوسرا میرے ساتھ ہوتا تو میں اس معاہدے کی منسوخی کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا اور اسے ختم کر کے دم لیتا۔''

''دوسرا ساتھی تو تمھیں مل گیا ہے۔'' ہشام عامری نے کہا۔

''وہ کون ہے؟'' زہیر نے حیرانی سے پوچھا۔

''میں جو ہوں۔'' ہشام نے اپنی چھاتی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

''کوئی تیسرا بھی ہونا چاہیے ہمت کر کے تلاش کرو۔'' زہیر نے کہا۔

یہاں سے اٹھ کر ہشام، بنی نوفل کے سردار مطعم بن عدی کے پاس گیا۔ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردادا ہاشم کے بھائی نوفل کا پوتا تھا۔ اور یہ سب عبد مناف کی اولاد تھے۔

''اے مطعم! کیا تمھیں یہ بات پسند ہے کہ بنی عبد مناف کے دو خاندان تمہارے دیکھتے دیکھتے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائیں اور تم قریش کی موافقت کرتے رہو۔ اللہ کی قسم! اگر تم نے انہیں ایسا کرنے کی کھلی چھوٹ دے رکھی تو تم دیکھ لو گے کہ وہ تمہاری لاپروائی کے سبب ان پر اور دلیر ہو جائیں گے، نتیجتاً تم پر بھی وہ دانت تیز کریں گے۔ اللہ کی قسم اگر تم قریش کو اس طرح ہلاک کرنے کے درپے ہوتے تو وہ تمھارا منہ نہ تکتے رہتے، بلکہ سب مل کر تم پر ہلّہ بول دیتے۔''

''تم سچ کہتے ہو، لیکن میں تنہا ساری قوم کا کیسے مقابلہ کر سکتا ہوں۔''

مطعم نے اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

بقیہ صفحہ نمبر ۱۴ پر

''تم اکیلے نہیں ہو، میں اور زہیر بن ابی اُمیّہ بھی تمھارے ساتھ ہیں۔''

سنت کہانی (اوّل-دوم)

اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور جنت کے حصول کے لیے پیارے نبی
حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی **سنتِ مبارکہ**
بلاشبہ کامل ترین.... خوب صورت ترین.... اور آسان ترین راستہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کے لیے....
بچوں کو بچپن ہی سے پیاری.... **مبارک سنتوں**....
اور.... پاکیزہ طریقوں کا عادی بنانے کے لیے....

بچوں اور بچیوں کے لیے اچھوتے.... اور آسان انداز میں لکھی گئی....
نصیحت آموز کہانیاں.... دیدہ زیب کتابی شکل میں....

آئیں! مل کر کتاب دوستی کو فروغ دیں اور اس پیغام کو عام کریں۔

بیت العلم

کراچی فون: 021-32726509 ، موبائل: 0309-2228089
لاہور فون: 042-37112356
Visit us: www.mbi.com.pk maktababaitulilm

(مرسلہ: عینا شہزاد۔ جی ٹین اسلام آباد)

چوہوں نے اجلاس بلایا

چوہوں نے اجلاس بلایا
جس میں اُن کا باس بھی آیا

سب نے یہ آواز اٹھائی
مشکل میں ہیں ہم سب بھائی

مانو بلی تنگ کرتی ہے
اکثر ہم سے جنگ کرتی ہے

ظالم ہے وہ شیر کی خالہ
لیتی ہے بس ایک نوالہ

کھا گئی کتنے ہمارے بھائی
منو کے ابا، چنو کی تائی

جینا ہے دشوار ہمارا
کوئی نہیں غم خوار ہمارا

کب تک جان بچائیں گے ہم
اک دن مارے جائیں گے ہم

کیسے چھپ چھپ کر دن کاٹیں
اِس سے بہتر ہے مر جائیں

آؤ آج سے ایک ہو جائیں
مل کر بلی سے ٹکرائیں

آج ہی اس کے ہم گھر جائیں
اپنے شہر سے اسے بھگائیں

سن کر وہ تقریر بچارے
آ گئے جوش میں چوہے سارے

سن کر وہ تقریر بچارے
آ گئے جوش میں چوہے سارے

بلی کے وہ گھر کی جانب
فوج کی صورت بڑھنے لگے سب

پہنچے اُس کے در پر وہ جب
دیکھ کے وہ حیران ہوئے سب!

گھر میں اور نہ تھا کوئی
بستر پر تھی بلی سوئی

جب وہ کودے گھر کے اندر
جاگ اٹھی وہ آہٹ سن کر

چوہے ایسے ڈر کر بھاگے
باس تھا اُن کا سب سے آگے

عبدالقادر

میں بڑا ہو کر کیا بنوں گا؟

رؤف پارکیو

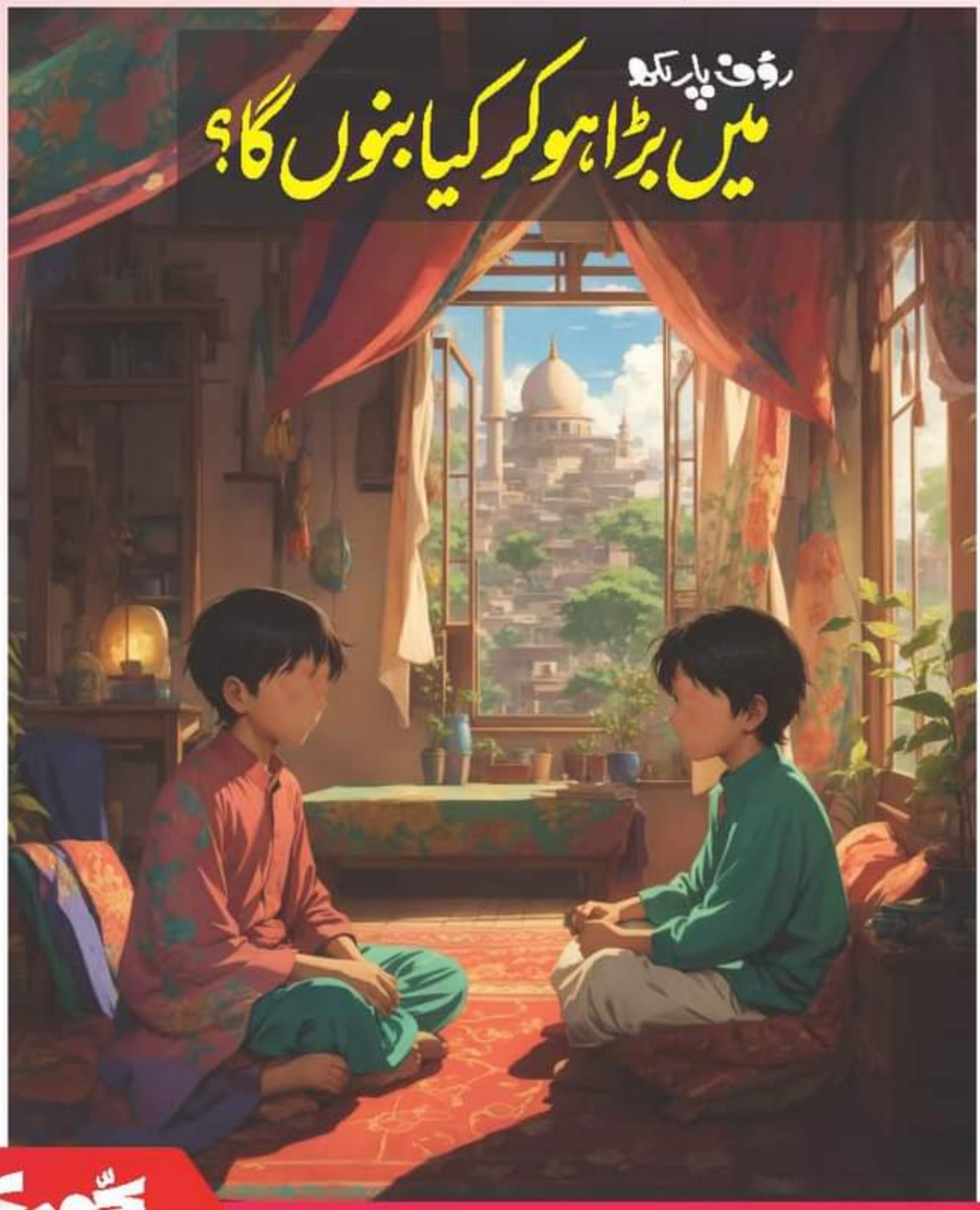

جب ہم چھوٹے تھے تو اکثر بیٹھ کر سوچا کرتے تھے کہ ”بڑا ہو کر میں کیا بنوں گا؟“

کبھی خیال آتا کہ پائلٹ بن جائیں، خوب مزے سے جہاز اڑایا کریں گے۔ کبھی لندن پہنچ گئے تو کبھی نیویارک۔ ہاں بھئی، کبھی کبھی لاہور بھی ہو آیا کریں گے۔ سنا ہے وہاں کا چڑیا گھر دیکھنے کے قابل ہے۔ دل چاہا تو جہاز کو ہوا میں اُلٹے سیدھے غوطے بھی کھلائیں گے۔ سب مسافروں سے کہہ دیں گے کہ بھئی، سیٹ پر جم کر بیٹھنا۔ جھٹکے سے باہر جا پڑے تو ہمارا ذمہ نہیں اور راستے میں اُتر گئے تو ٹکٹ کے پیسے واپس نہیں ملیں گے۔

لیکن ایک دن سنا کہ ایک جہاز گر کر تباہ ہو گیا۔ سب لوگ مر گئے، مسافر بھی اور پائلٹ بھی۔ فوراً کان پکڑ لیے۔ پائلٹ بننے سے توبہ کر لی اور خدا کا شکر ادا کیا کہ ابھی پائلٹ بنے نہیں تھے۔ اگر بن چکے ہوتے تو پھر ڈاکٹر بننے میں بڑی مشکل پیش آتی۔ آپ ہی بتائیے کہ ہم جہاز میں بیٹھے دوا دیتے کیسے لگتے؟ بہت بُرے۔ ہے ناں؟“

دراصل ہم نے فوراً ہی ڈاکٹر بننے کا ارادہ کر لیا تھا۔ ڈاکٹر بھی کون سا؟ سرجن، جی ہاں چیر پھاڑ کرنے والا۔ ہم نے سوچ لیا تھا کہ دن رات آپریشن کیا کریں گے، دنادن، اس کا ہاتھ جوڑ دیا، اس کی ٹانگ کاٹ دی، اس کا پیٹ پھاڑ دیا۔ مطلب یہ کہ علاج کے لیے..... اور پھر جوڑ دیا، سی لیا اور ہاں، یہ جو ہماری چھوٹی بہن ہے نا، شریر سی، بلی..... اس نے اپنی شرارتوں سے ہماری ناک میں دَم کر رکھا ہے۔ اس کی تو ناک کاٹ کر پیٹ پر لگا دیں گے، بھوتنی کہیں کی۔ پھر تو پوری چڑیل لگے گی لیکن انہی دنوں ہمیں ایک عزیز کو دیکھنے اسپتال جانا پڑا۔ ان کے سر پر چھوٹی سی پٹی بندی ہوئی تھی جسے دیکھ کر ہم بہت ڈرے۔ ڈاکٹر صاحب نے ہمارے سامنے ہی ان کے بازو پر انجکشن لگانا شروع کیا۔ اس خوف ناک اور دہشت ناک منظر کو دیکھ کر ہماری گگھی بندھ گئی اور ہم چیخ مار کر کمرے سے باہر دوڑ پڑے۔ اپنی اس بہادری سے متاثر ہو کر ہم نے ڈاکٹر نہ بننے کا فیصلہ کر لیا۔

”ہم کیا بنیں؟“ یہ مسئلہ ہمیں بہت تنگ کر رہا تھا۔ آخر ایک دن ہم اپنے لنگوٹیے یار ٹلو میاں کے پاس جا پہنچے تاکہ ان سے کچھ مشورہ لیں۔

وہ اس وقت سر نیچے، ٹانگیں اوپر کیے کھڑے تھے۔ یہ ورزش کی کوئی قسم تھی جو ان کے خیال میں دماغ کے لیے بہت مفید ہے، البتہ اُنھوں نے ہمیں یہ ورزش کرنے سے منع کر دیا، کیوں کہ ان کے خیال میں ہماری کھوپڑی میں دماغ بالکل نہیں ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ دماغ نہ رکھنے والوں کو یہ ورزش نہیں کرنی چاہیے ورنہ ان کی کھوپڑی کا سارا بھوسا ناک کے راستے جھڑ جائے گا۔

ہم نے جاتے ہی ان سے پوچھا: ”یار! یہ بتاؤ، تم بڑے ہو کر کیا بنو گے؟“

اُنھوں نے جوب دیا: ”میں بڑا ہو کر مریض بنوں گا اور ڈاکٹروں کی خدمت کروں گا۔“

”بھائی صاحب! سر کے بل کھڑے ہونے کی وجہ سے شاید آپ کو دنیا کی ہر چیز اُلٹی نظر آ رہی ہے، اسی لیے اُلٹی بات کہہ گئے۔“ ہم نے کہا۔

”نہیں، میں نے بالکل صحیح کہا ہے۔ آج کل مریضوں کو ڈاکٹروں کی خدمت کرنی پڑتی ہے۔“ یہ کہہ کر وہ سیدھے کھڑے ہو گئے۔ ”مگر یہ تمھیں اچانک کچھ بننے کا خیال کیسے آ گیا؟“

”بس یار، کل میں اسپتال گیا تھا۔ وہاں ڈاکٹر صاحب کو دیکھا کہ مریضوں کے زخموں پر پٹیاں باندھ رہے ہیں اور سوئی لگا رہے ہیں۔ مجھے بہت ڈر لگا اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ مجھے ڈاکٹر نہیں بننا۔ تب سے میں اسی فکر میں ہوں کہ ڈاکٹر نہیں تو پھر اور کیا بنوں؟“

”تم حجام بن جاؤ۔“ ٹلو میاں سنجیدگی سے بولے۔

”کیا مطلب؟“ ہم نے غصے سے کہا۔

”بھئی، جب تم پڑھو گے لکھو گے نہیں، ہوائی جہاز سے ڈرو گے، انجکشن لگانے سے ڈرو گے تو پھر اور کیا بنو گے؟ حجامت کا کام ایسا ہے کہ.....

مگر نہیں یار، ٹھہرو، مجھے خیال آیا کہ تم حجام بھی نہیں بن سکتے کیوں کہ تمھیں ڈر لگے گا کہ کہیں کسی کے بال کاٹتے ہوئے اس کا کان نہ کاٹ دو۔“ ٹلو میاں نے کہا۔

”دیکھو ٹلو! میں تم سے اپنے مستقبل کے بارے میں نہایت اہم مشورہ کرنے آیا ہوں اور تم اسے مذاق میں ٹال رہے ہو، کتنے افسوس کی بات ہے۔“

”اماں یار! تم تو خواہ مخواہ سنجیدہ ہو جاتے ہو۔ لو بھئی، صحیح صحیح مشورہ دے رہا ہوں۔ کان کھول کر سن لو۔ انسان کو وہی کچھ بننا چاہیے جس کی اُس میں صلاحیت ہو۔ اسے وہ کام کرنا چاہیے جس میں اسے لطف آئے۔ اس طرح کام کام نہیں رہتا، ایک دلچسپ مشغلہ بن جاتا ہے۔“

ہم نے ان کی بات غور سے سنی اور پھر پوچھا: ''اچھا تو پھر تم کیا بنو گے؟''

''میں؟.....میں تو.....اصل میں، وہ کیا کہتے ہیں میں تو وہ بنوں گا، وہ جو ہوتا ہے نا۔''

یہ کہہ کر ٹلو میاں خاموش ہو گئے، ہم سمجھ گئے کہ ابھی تک وہ بھی یہ فیصلہ نہیں کر سکا کہ انھیں بڑا ہو کر کیا بننا ہے، اسی لیے آئیں بائیں شائیں کر رہے ہیں۔

بس اس دن ہم دونوں سر جوڑ کر بیٹھے کہ ہمیں کیا بننا ہے اور آج تک یہی سوچ رہے ہیں، یعنی بڑے ہونے کے بعد بھی۔

پیارے ساتھیو! آپ نے تو فیصلہ کر لیا ہے نا کہ آپ کو بڑے ہو کر کیا بننا ہے؟ آپ بڑے ہو کر جو بننا چاہتے ہیں اس کے لیے خوب اچھی طرح سوچ بچار کرنے کے بعد پکا فیصلہ کر لیں۔ پھر خوب پڑھیں، محنت کریں اور ہاں، سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں۔

اچھا تو پھر، آپ کیا بنیں گے؟

سائنس دان؟ انجینئر؟ استاد؟ اخبار نویس؟ یا کسی رسالے کے مدیر؟

شاید آپ میں سے کوئی ادیب بھی بن جائے اور کوئی نہ کوئی تو ایسا ہوگا جو صدر یا وزیر اعظم بنے گا۔

ہاں تو بچو! کیا خیال ہے؟

آثارِ نبوی ﷺ کے تعاقب میں ماضی کے اوراق پلٹتے مسافر کی ایمان افروز رودادِ سفر

16

اُن کے کوچے میں

محمد فضیل فاروق

میرے بالکل سامنے حجرہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وہ دروازہ تھا جہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لایا کرتے تھے۔

اندلس کے ایک شاعر موسیٰ بن محمد نے حضرت سیدہ عائشہ کی زبانی آپ کا کیا خوبصورت قصیدہ پڑھا ہے، جس کا شعر مجھے رہ رہ کر اس مقام پر یاد آ رہا تھا:

یا مُبْغِضِی لا تَأْتِ قَبْرَ مُحَمَّدٍ

فالبَیْتُ بَیْتِی والمَکانُ مَکانِی

''او! مجھ سے بغض رکھنے والے! میرے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر پر آنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

کیوں کہ وہ گھر میرا گھر ہے اور وہ جگہ میری جگہ ہے۔''

اُدھر ہی ایک کھڑکی ہوتی تھی، ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعتکاف میں بیٹھے ہوتے تھے اس کھڑکی کے پاس، اور میں اِس کھڑکی میں سے اپنے گھر میں بیٹھے بیٹھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال دھو کر کنگھی کر دیا کرتی تھی۔

اِس مبارک حجرے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ام المومنین کی کتنی یادیں جڑی ہوں گی؟ کتنی باتیں اور ہنسی مزاح جو سیدہ عائشہ ہمیں بتاتی ہیں وہ سب یہیں تو ہوا ہوگا۔

اسی دروازے سے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا سہارا لے کر نکلے ہوں گے۔

اس دن آپ کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ جسم پر کمبل تھا۔ جماعت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت میں کھڑی ہو چکی تھی۔ آپ کی مسجد میں تشریف آوری پر صدیق اکبر پیچھے ہٹنا چاہتے تھے مگر آپ نے اشارے سے منع فرما دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کے دائیں جانب بٹھا دیا گیا تھا۔

نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت اسامہ بن زید کے سہارے پر اٹھے اور اپنی امت سے آخری خطاب فرمایا:

''اللہ نے اپنے بندے کو اختیار دے دیا کہ وہ چاہے تو دنیا کی نعمتوں کو قبول کرے، چاہے تو اللہ کے پاس موجود انعامات کو اختیار کر لے، پس اس بندے نے اللہ کی نعمتوں کو قبول کر لیا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ جملے کتنے معنی خیز تھے، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے ساختہ بول پڑے:

''میرے ماں باپ آپ پر قربان، ہماری جانیں اور مال آپ پر فدا!''

اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے، صرف وہی تو سمجھے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سفرِ آخرت کی خبر دے رہے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی اپنے اتنے قریبی یار کا رونا کہاں دیکھا جاتا، کہنے لگے: ''مت رو ابو بکر!''

پھر صحابہ کو خطاب فرمایا: ''مجھ پر سب سے زیادہ احسانات ابو بکر کے ہیں، اگر مجھے کسی انسان کو محبوب بنانا ہوتا تو ابو بکر کو محبوب بناتا، مگر ان سے رشتہ دینی بھائی بندی کا ہے، اور مسجد میں کھلنے والے سب دروازے بند کر دینا، صرف ابو بکر کے گھر کا دروازہ کھلا رہنے دینا۔''

آہ.....! ابھی میں جہاں بیٹھا تھا، اُس وقت اسی جگہ تو صحابہ بیٹھے ہوں گے۔ مسجد کے اتنے قریب قریب صحابہ کے گھر تھے کہ ان کے پچھلے دروازے مسجد میں کھلتے تھے۔ آج بھی بابِ ابی بکر صدیق جس سے ہم داخل ہوئے تھے، اس کے اندر لکھا ہوا ہے:

''ھذہ خوخۃ ابی بکر الصدیق!''

(یہ ابو بکر صدیق ؓ کے گھر کا دروازہ ہے!)

یہ وہی تو تھا جسے کھلا رکھنے کا آخری وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود فرما گئے تھے، اور باقی صحابہ کو مسجد کے مرکزی دروازے سے آنے کا فرما گئے تھے۔

اس حجرے نے کیا کچھ نہیں دیکھا ہوگا! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو عالمین کے لیے رحمت تھے۔ انسان و حیوان، جاندار و بے جان سب کے لیے۔ سب نے پڑھا ہی ہوگا کہ وہ درخت کا تنا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر نہ بننے تک ٹیک لگاتے تھے آپ کی جدائی پر کیسا رویا تھا؟ صحابہ کرام کہتے ہیں ساری مسجد میں بچوں کی طرح اس کی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں تو آپ کی وفات کے وقت اس حجرے کا کیا عالم ہوگا جو دیکھ رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسد مبارک ایک کمبل میں ہے، جسے آپ کبھی

چہرے پر ڈال لیتے تو کبھی ہٹا لیتے ہیں۔

آخری وقت میں اماں عائشہ کو بچی ہوئی اشرفیاں صدقہ کرنے کا کہہ رہے ہیں۔

پھر وہ دن بھی آن پہنچا، پیر کا دن، بارہ ربیع الاول، صحابہ کا کیا عالم ہوگا، جب انھوں نے کئی دن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت تک نہ کی تھی تب، اچانک ایک بار جماعت کے دوران انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرے کا پردہ اٹھتا محسوس ہوا تھا۔ ان کا تو بس نہ چلتا تھا کہ یکدم پلٹیں اور جی بھر کر اس چہرہ انور کا نظارہ کرتے رہیں جن کے ایک دیدار کی قیمت وہ اپنی جانوں کی صورت میں بھی ادا کر سکتے تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ کے اشارے نے انھیں ایسا کرنے سے باز رکھا۔

اس وقت اپنے تمام دل وجان سے پیارے صحابہ کو صفیں باندھے صدیق اکبر کی امامت میں نماز پڑھتے دیکھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرط مسرت سے کیا عالم ہوگا۔ مسجد کے اس حصے میں وہ امت تیار ہو کر کھڑی تھی جس نے اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اسلام کی جانشینی کرنی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالکل مطمئن تھے کہ میرے سامنے کھڑے ہوئے لوگوں کی تربیت میں کوئی کمی نہیں رہی۔

اور رہتی بھی کیسے!؟ تربیت کرنے والا مربی کیسا تھا۔

پھر ساری دنیا نے دیکھا بھی، اس چھوٹی مسجد سے نکلنے والوں نے پوری دنیا میں اس دین کے علم لہرائے۔ اس مسجد میں کھڑے ہونے والوں کی تلواروں کی جھنکاروں سے قیصر وکسریٰ کے محلات تھرا اٹھے۔ یہی مسجد والے ہی تو تھے جنھوں نے اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے ایک بار گھوڑے سمندر میں اتار دیے تھے۔ اسی مسجد والوں نے ہی تو ایک دن افریقہ کے ایک جنگل میں جا کر اعلان کیا تھا: ''اے جنگل کے درندو، سانپو اور بچھوؤ! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہیں۔ یہاں سے چلے جاؤ ہم یہاں قیام کریں گے اور دیکھتے ہی دیکھتے جنگل خالی ہونے لگا تھا۔ درندوں نے اس مسجد والوں کی پکار پر لبیک کہا تھا اور اپنے بچوں کو منہ میں دبائے وہ جنگل سے کوچ کر گئے۔

اور کیا وہ قائد اسی مسجد کا نمازی نہیں تھا جو ایک دن ایران کے قصر ابیض میں فاتح بن کر داخل ہوا تو اس کی زبان پر یہ آیت جاری تھی:

''وہ لوگ چھوڑ گئے کتنے ہی باغ اور چشمے اور کھیتیاں اور عمدہ مکانات اور آرام کے سامان جن میں وہ خوش رہا کرتے تھے، اسی طرح ہوا اور ہم نے ایک دوسری قوم کو اس کا وارث بنا دیا۔''

انہی مسجد والوں میں سے ایک قادسیہ کے معرکے سے پہلے رستم کے دربار میں اس شانِ بے نیازی سے داخل ہوا تھا کہ اپنے نیزے کے پھل کو زمین پر گھسیٹتا ہوا رستم کے قیمتی قالین کو چیرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اور وہ قالین ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھٹتا چلا گیا۔ اس وقت صرف ایک ہی شخص نے سپر پاور کے دربار پر کیسی ہیبت طاری کر دی تھی۔

اور سنا آپ نے کہ عربیوں نے کیا خوب کہا:

اسألوا قصر المدائن
إذ به القعقاع كبر

مدائن کے قلعے سے پوچھ لو (کہ تب اس کی حالت کیا ہوئی تھی)
جب وہاں قعقاع رضی اللہ عنہ کا نعرہ تکبیر گونجا تھا!؟

قران کے الفاظ دیکھیں: ''اور جو لوگ ان (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ ہیں، وہ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں، (اور) آپس میں ایک دوسرے کے لیے رحم دل ہیں۔ تم انھیں دیکھو گے کہ کبھی رکوع میں ہیں، کبھی سجدے میں، (غرض) اللہ کے فضل اور خوشنودی کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کی علامتیں سجدے کے اثر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔ یہ ہیں اُن کے وہ اوصاف جو تورات میں مذکور ہیں۔ اور انجیل میں ان کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک کھیتی ہو جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اس کو مضبوط کیا، پھر وہ موٹی ہو گئی، پھر اپنے تنے پر اس طرح سیدھی کھڑی ہو گئی کہ کاشتکار اس سے خوش ہوتے ہیں، تاکہ اللہ ان (کی اس ترقی) سے کافروں کا دل جلائے۔''

اس کمرے کا پردہ اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دراصل یہی تو دیکھ رہے تھے۔

پھر سے اس حجرے کا پردہ گرا دیا گیا۔

میری آنکھوں کے سامنے موجود دروازے کے پیچھے اُس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر مبارک اماں عائشہ صدیقہ کی گود میں تھا، کمرے میں صرف گھر والے ہی تھے، آپ کی زبان مبارک سے نکلا: ''ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا (یعنی) انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین۔''

اماں عائشہ سمجھ گئی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دنیا میں رہنے یا آخرت کے سفر پر روانہ ہونے سے متعلق پوچھا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخرت کا سفر اختیار کر چکے ہیں۔

آپ آخری وقت بھی نماز اور ماتحتوں کا خیال رکھنے کی وصیت فرما رہے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکلیف کے عالم میں ساتھ رکھے پانی کے پیالے میں ہاتھ بھگو بھگو کر اپنے چہرے پر لگاتے اور آپ کے جگر کا ٹکڑا حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء اپنے والد کی تکلیف پر تڑپ کر فرماتیں:

"واکرب اباہ" (ہائے میرے ابا کی تکلیف۔)

پھر ہاتھ سے اوپر کی طرف اشارہ کر کے فرماتے رہے:

"اللھم الرفیق الاعلیٰ، فی الرفیق الاعلیٰ، فی الرفیق الاعلیٰ۔"

اے اللہ! اے سب سے عالی مرتبت رفیق، سب سے عالی شان رفیق کے پاس سب عالی شان رفیق کے پاس،

بس یہی کہتے کہتے روح مبارک اس فانی دنیا کے تاریک کھنڈرات کو خیر باد کہہ گئی.....!

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(جاری ہے)

آٹھ سال تک کے بچوں کے لیے خاص کہانی

ملکہ مکھی نے کیا کہا؟

اشفاق احمد خاں

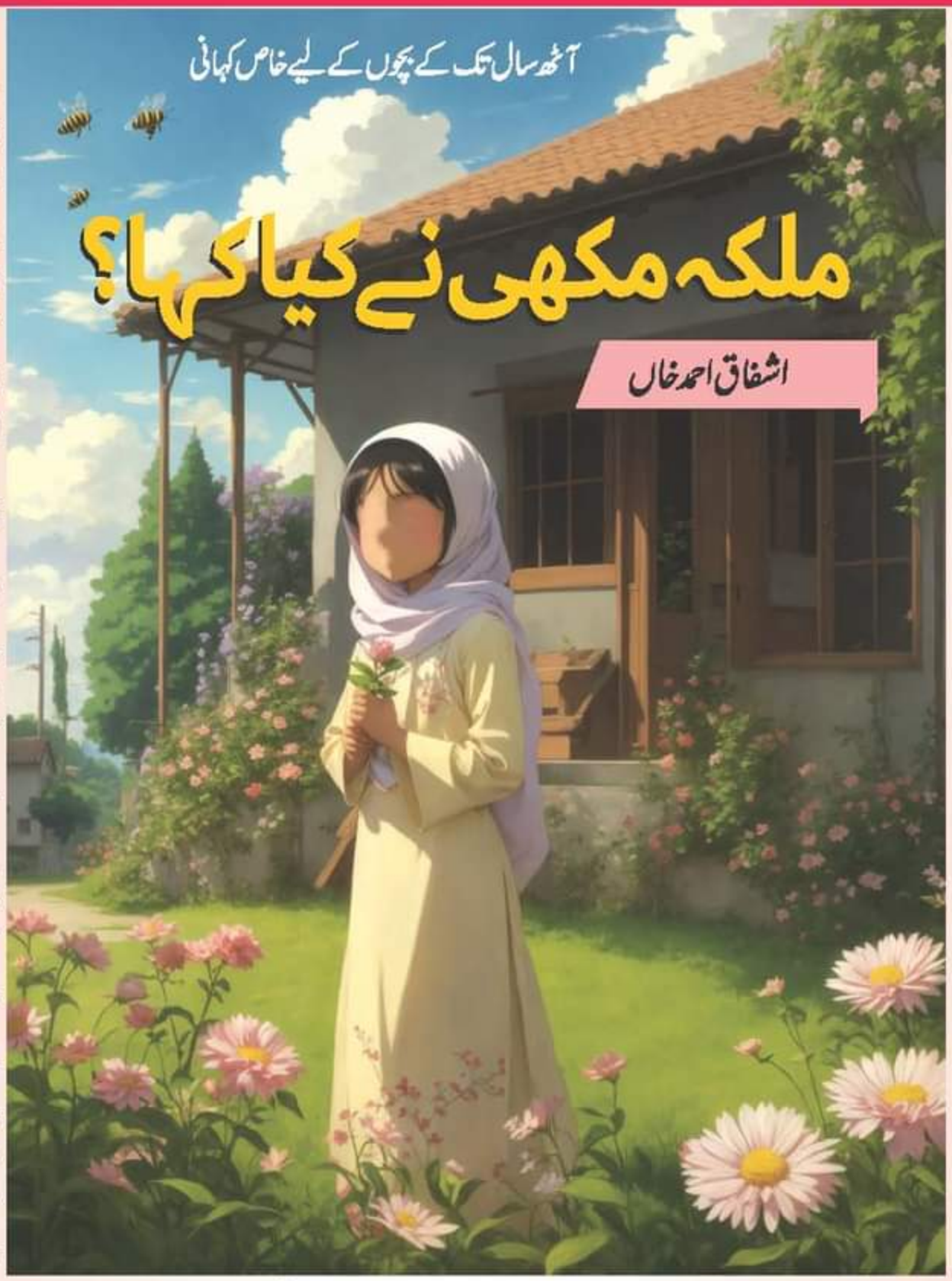

اُس کا نام چنبیلی تھا۔ وہ صرف نام ہی کی چنبیلی نہیں تھی، حقیقت میں بھی چنبیلی کے پھول کی طرح تھی۔ آپ تو جانتے ہی ہیں چنبیلی کی کلیاں کتنی خوشبو دار ہوتی ہیں۔ خود بھی مہکتی ہیں، دوسروں کو بھی مہکاتی ہیں۔ آدمی کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ صاف ستھرا، خوشبودار۔ کوئی پاس سے گزرے بھی تو خوشبو میں نہا جائے۔ پاس آ کے بیٹھ جائے تو اٹھنے کو دل نہ چاہے۔

ہماری چنبیلی جس کی ہم بات کر رہے ہیں بالکل ایسی ہی تھی۔ معصوم سی، نرم و نازک۔ سمجھ داری کی باتیں اتنے معصومانہ انداز میں کرتی کہ سننے والے کو پیار آجائے۔ چنبیلی میں ایک عادت بڑی اچھی تھی۔ صبح جب امی جان اٹھتیں تو اُن کے ساتھ ہی اٹھ جاتی اور وضو کر کے جائے نماز پر کھڑی ہو جاتی۔ فجر کی نماز کے بعد اس کی امی جان تو قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول ہو جاتیں، جب کہ وہ باغیچے میں چلی جاتی۔ ان کا باغیچہ بہت پیارا تھا۔ اس کے ابا جان نے اس میں طرح طرح کے پودے اور پھل دار درخت لگائے تھے۔ جب وہ سبز سبز گھاس پر ننگے پاؤں چلتی تو اسے بہت مزا آتا۔ شبنم کے قطروں کی ٹھنڈک ویسے بھی آنکھوں کی روشنی کے لیے بہت مفید ہے۔ وہ کبھی اِس پھول کے پاس ٹھہرتی تو کبھی اُس کلی کے پاس بیٹھتی۔

ایک دن گلاب کے پودوں پر سرخ اور سفید گلاب اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ چنبیلی نے جھک کر سفید گلاب کی خوش بو سونگھی اور اس کے دماغ میں خوش بو بھر گئی۔ اچانک چنبیلی کی نظر نیچے پڑی۔ وہاں گلاب کا ایک پھول ٹوٹا ہوا پڑا تھا۔ وہ تیزی سے جھکی تو گلاب کے پودے سے ٹکرائی اور پودا گرتے گرتے بچا۔

چنبیلی نے پھول اٹھایا اور سیدھی کھڑی ہو گئی۔ اس نے سوچا:

”یہ پھول تو میں امی جان کو دوں گی۔ وہ پھول دیکھ کر بہت خوش ہوں گی۔“

اچانک اس کی نظر اپنے بازو پر پڑی۔ وہاں شہد کی ایک مکھی بیٹھی ہوئی تھی۔

بے اِختیار اُس کے منہ سے نکلا:

”اچھی مکھی! کاٹنا نہیں..... مجھے دَرد ہو گا۔“

پھر اسے خیال آیا کہ مکھی اس کی بات کیسے سمجھے گی؟

چنبیلی اپنی ناسمجھی پر مسکرا دی، لیکن اُس کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں جب اسے لگا کہ مکھی کچھ بولی تھی۔

چنبیلی نے آنکھیں مل کر اسے دیکھا پھر کہا:

”آپ نے کچھ کہا اچھی مکھی؟“

”جی اچھی بچی! میں نے کہا ہے کہ میں کاٹنے کے لیے نہیں بیٹھی۔“

مکھی نے جواب دیا۔

”اچھا تو کیا آپ مجھے سونگھنے کے لیے بیٹھی ہیں یا ابھی چکھ رہی ہیں؟“

چنبیلی نے شرارتی لہجے میں کہا۔

”نہیں..... میں بچنے کے لیے بیٹھی ہوں۔“ شہد کی مکھی بولی۔

”کس سے بچنے کے لیے؟“ چنبیلی نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔

”میں صبح کی سیر کے لیے نکلی تھی۔ گلاب کے پھول پر ذرا سی دیر کے لیے بیٹھی ہی تھی کہ آپ کے ٹکرانے سے پودا زور سے ہلا اور ایک کانٹے سے میرا پَر زخمی ہو گیا۔ نیچے گرنے سے بچنے کے لیے میں آپ کے بازو سے چمٹ گئی۔“

مکھی نے کہا۔

”اوہ.....!“ چنبیلی کو افسوس ہوا۔ اُس کی وجہ سے کتنا بڑا نقصان ہو گیا تھا۔

”مجھے معاف کر دیجیے اچھی مکھی!“ چنبیلی نے معذرت کی۔

”اِس میں آپ کو کوئی قصور نہیں پیاری بچی! یہ تو ایک حادثہ تھا۔“

شہد کی مکھی نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

”اچھی مکھی! میرا نام چنبیلی ہے۔“ چنبیلی نے اپنا تعارف کروایا۔

”میرا نام بھی اچھی مکھی نہیں ملکہ مکھی ہے۔“

ملکہ مکھی مسکراتے ہوئے بولی۔

”اچھا! کیا واقعی آپ مکھیوں کی ملکہ ہیں؟“

چنبیلی نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

''جی ہاں! چلو اَب جلدی سے مجھے میرے گھر پہنچا دو، کیوں کہ اب میں اڑ نہیں پاؤں گی۔''

''آپ کا گھر کہاں ہے؟''

''وہ اوپر درخت پر، جہاں شہد کی مکھیوں کا چھتا ہے، وہاں۔''

''وہاں تک تو میرا ہاتھ نہیں پہنچے گا۔''

چنبیلی درختوں کے چھتے کو دیکھتے ہوئے بولی۔

اچانک اس کی نظر سیڑھی پر پڑی جو درخت کے تنے کے ساتھ ہوتی ہوئی اُوپر کی طرف جا رہی تھی۔

''واہ! یہاں تو سیڑھی ہے، میں اس کے ذریعے چڑھ سکتی ہوں۔''

چنبیلی نے شہد کی مکھی کو ایسے ہی بازو پر بیٹھا رہنے دیا اور سیڑھی پر چڑھنا شروع کر دیا، پھر چھتے کے پاس جا کر اس نے ملکہ مکھی کو پکڑا اور چھتے کے پاس رکھ دیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے شہد کی بہت سی مکھیاں اکٹھی ہو گئیں۔ ایک مکھی نے ملکہ کے پَر کے اُوپر کوئی دوا لگائی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ شہد کی کسی بھی مکھی نے اُسے کچھ نہیں کہا تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ ملکہ مکھی کی مددگار تھی۔

ایسے میں اچانک چنبیلی کی نظر شہد کی ایک ننھی سی مکھی پر پڑی۔

وہ ایک ننھا سا بیگ اٹھائے اڑتی چلی جا رہی تھی۔

چنبیلی کی نظروں نے اُس کا تعاقب کیا تو مزید حیران ہوئی۔ وہ پاس ہی ایک درخت کے سوراخ کی طرف جا رہی تھی۔ وہاں دو اور مکھیاں بیگ اٹھائے اور ایک مکھی کتابیں تھامے اُڑتے ہوئے جا رہی تھیں۔

''یہ اسکول جا رہی ہیں؟'' ملکہ مکھی نے اُس کی حیرت کو بھانپ کر بتایا۔

''شہد کی مکھیاں اسکول بھی جاتی ہیں؟''

چنبیلی کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''کیوں؟ کیا شہد کی مکھیاں اسکول نہیں جا سکتیں؟''

ملکہ مکھی نے پوچھا تو چنبیلی شرمندہ سی ہو گئی اور بولی: ''جا سکتی ہیں، لیکن یہ مکھیاں اسکول میں پڑھتی کیا ہوں گی؟ کیا سیکھتی ہوں گی وہاں؟''

''یہ سب زندگی گزارنے کا طریقہ سیکھتی ہیں، آداب سیکھتی ہیں۔''

ملکہ مکھی نے بتایا۔

''آداب!..... کیسے آداب؟'' چنبیلی کی حیرت دوچند ہوتی جا رہی تھی۔

''محنت کرنے کے آداب۔ شہد بنانا مسلسل محنت کا کام ہے۔ اسکول میں مکھیاں اس کی تعلیم پاتی ہیں اور یہ بھی سیکھتی ہیں کہ کس جذبے کے ساتھ کام کرنا ہے۔''

پھر ملکہ مکھی نے چھتے میں کام کرتی مکھیاں بھی چنبیلی کو دکھائیں، جو بہت ہی محنت اور لگن سے شہد بنانے میں مصروف تھیں۔

''ملکہ مکھی! آپ لوگوں کو تو شہد بنانے کے لیے بہت محنت کرنی پڑتی ہوگی۔ مجھ سے تو اتنی محنت نہیں ہوتی۔ میں تو ہوم ورک کرتی ہوں تو تھک جاتی ہوں۔''

چنبیلی نے کہا۔

''محنت تو کرنا پڑتی ہے۔ اگر کام نہیں کریں گے تو نہ شہد بنے گا؟ نہ آپ انسانوں کی یہ دنیا چلے گی، اور پتا ہے شہد نہیں بنے گا تو چھتے میں زندگی ختم ہو جائے گی۔''

''لیکن اتنا زیادہ شہد؟ کیا کرتی ہیں آپ اتنے زیادہ شہد کا؟''

چنبیلی نے سوال کیا۔

''اللہ تعالیٰ نے ہمارے شہد میں شفا رکھی ہے، اِس لیے اللہ ہی کے حکم سے یہ ہم بناتے ہیں۔ یہ انسانوں کے کام آتا ہے، بہت سے حیوان بھی یہ استعمال کرتے ہیں۔ نیز شہد بنانے کے لیے ہم جو پھولوں کا رس چوستے ہیں تو اس سے پھولوں کے زردانے دور دور تک ہمارے ذریعے پھیل جاتے ہیں اور یوں طرح طرح کے پودوں اور درختوں کی افزائش ہوتی ہے۔''

''اچھا! ویسے آپ کے اسکول میں اور کیا کیا سکھایا جاتا ہے؟''

چنبیلی کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ننھی بچی! وہاں انھیں گھر بنانا سکھایا جاتا ہے۔ انھیں گھر کی حفاظت کے طریقے سکھائے جاتے ہیں۔ ہمارے ایک چھتے میں ساٹھ سے لے کر اسی ہزار تک شہد کی مکھیاں ہوتی ہیں۔ ہر کسی کے ذمے الگ الگ کام ہیں تو یہ اسکول انھیں اُن کے ذمے لگے ہوئے کام سکھانے کے لیے ہے۔'' ملکہ مکھی نے تفصیل سے بتایا۔

''لیکن ان کے چھوٹے سے دماغ میں اتنی چیزیں آتی کیسے ہیں؟''

چنبیلی کی حیرت کم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔

''دماغ چھوٹا بڑا ہونے سے فرق نہیں پڑتا۔ ہم شہد کی مکھیوں کی یادداشت آپ لوگوں سے زیادہ ہے۔''

ملکہ مکھی کی یہ بات چنبیلی کے لیے حیرت انگیز تھی۔

انسانی جسم

☆انسان کے منہ میں موجود بیکٹریا کی تعداد زمین پر موجود انسانوں کی تعداد سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔

☆انسانی ناخن پر اگر ''چاند'' موجود نہ ہو تو اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ کے ناخن کمزور ہیں اور جلد ٹوٹنے والے ہیں۔ یہ آپ کے جسم میں تھائیرائیڈ کے مسئلہ کی بھی نشان دہی کرتا ہے۔

☆انسانی جسم میں موجود خون ۲۴ گھنٹوں میں تقریباً اکتیس ہزار دو سو انیس کلومیٹر کی مسافت کے برابر گردش کرتا ہے۔

☆جسم میں موجود نسوں کی لمبائی تقریباً ۷۵ کلومیٹر ہوتی ہے۔

☆انسان ایک دن میں تقریباً ۲۰ ہزار بار سانس لیتا ہے۔

☆انسانی آنکھ ایک کروڑ کے قریب رنگوں میں تمیز کر سکتی ہے لیکن ہمارا دماغ اتنے سارے رنگوں کو یاد نہیں رکھ سکتا۔

☆انسانی دل ایک سال میں ساڑھے تین کروڑ بار دھڑکتا ہے۔

☆ہر سال انسانی جسم سے دس لاکھ کے قریب جلد کے خلیات جھڑ جاتے ہیں، جو تقریباً دو کلو کے قریب ہوتے ہیں۔

☆انسانی چھینک کی رفتار ۱۶۰ کلومیٹر فی گھنٹہ ہوتی ہے۔

☆ایک انسانی بال ایک اوسط سائز کے سیب کا وزن اٹھا سکتا ہے۔

(انتخاب: حسان عبداللہ۔ نیو کراچی)

"یہ بات آپ کیسے کہہ سکتی ہیں؟" چنبیلی نے پوچھا۔

"ہم روزانہ پھولوں کا رَس پینے کے لیے ہزاروں میل کا سفر کرتی ہیں اور ہمیں اپنے گھر کا راستہ نہیں بھولتا۔ آپ اتنا لمبا راستہ یاد رکھتی ہو؟ نہیں رکھ سکتی۔ ہم صرف وہ مفید چیزیں کھاتے پیتے ہیں جو شہد بنانے کے لیے ضروری ہوں اور آپ لوگ، جس چیز سے منع کیا جائے وہی کھاتے ہو۔"

"ہوں..... واقعی!" چنبیلی سر ہلاتے ہوئے بولی۔

اسے یاد آیا اس کے دانت میں دَرد تھا۔ ڈاکٹر چچا نے اسے چاکلیٹ کھانے سے منع کیا تھا، لیکن اس نے پھر بھی گھر والوں سے چھپ کر چاکلیٹ کھائی تھی۔

"شہد کی مکھیاں بہت فائدہ پہنچاتی ہیں، انسانوں، درختوں، پودوں اور پھلوں کو۔" ملکہ مکھی نے اُس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"سچ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے دوسرے کو فائدہ پہنچانے کے لیے پیدا کی ہے۔ ہم کسی کے کام آتے ہیں تو کوئی ہمارے کام آتا ہے۔"

"ہاں! یہ تو آپ نے ٹھیک کہا۔ اچھا یہ بتایئے کہ امی ابو میرے اتنے کام کرتے ہیں تو میں اُن کے لیے کیا کروں؟..... میں تو اتنی چھوٹی سی ہوں ابھی۔"

"آپ اُن کے بہت کام آسکتی ہیں۔ وہ چاہتے ہیں آپ خوب پڑھو، محنت کرو، کچھ ایسے زندگی گزارو کہ اس زندگی میں اور آنے والی زندگی میں اچھا مقام حاصل کرو تو آپ دل لگا کر اپنا مقصدِ زندگی حاصل کرنے کی محنت کرو!" ملکہ مکھی نے کہا۔

"ہم، ٹھیک ہے آئندہ میں خوب محنت سے پڑھوں گی۔ پیاری ملکہ مکھی! اس کے علاوہ میں اور کیا کر سکتی ہوں؟"

چنبیلی کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔

"امی ابو جو بھی کام کہیں فوراً کرنے کی کوشش کرو۔ جس چیز سے روکیں رک جاؤ، ضد نہ کرو۔ اسی طرح بے شمار کرنے کے کام ہیں۔ جب آپ محبت کی اُنگلی تھام کے سوچنا شروع کرو گی تو سب سمجھ میں آجائے گا، کیوں کہ محبت آدمی کو بتاتی ہے کہ جس سے آپ کو محبت ہے اُس کی نظر میں یہ کام اچھا ہے اور یہ کام برا ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ سے محبت ہے اِس لیے اللہ تعالیٰ کی ہر بات ماننی چاہیے۔ ماں باپ سے محبت ہے تو اُن کی ہر بات ماننی چاہیے۔"

"تو کیا آپ اسکول میں اتنی اچھی اچھی باتیں سکھاتی ہیں ان مکھیوں کو؟" چنبیلی نے پوچھا۔

"اس سے بھی زیادہ۔" ملکہ مکھی نے ہنس کر کہا۔

"تو آپ لوگ اپنی مکھیوں کو ایک بات کیوں نہیں سمجھاتے کہ ننھے بچوں کو نہیں کاٹتے، بہت دَرد ہوتا ہے۔"

چنبیلی نے ناراضی بھرے لہجے میں کہا تو ملکہ مکھی کی ہنسی چھوٹ گئی پھر سنجیدہ ہو کر بولی:

"پیاری بچی! شہد کی مکھیاں بلاوجہ نہیں کاٹتی ہیں۔ جب وہ تھک جاتی ہیں تو کہیں بیٹھنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اب اتفاق سے بیٹھنے کی جگہ آپ کا بازو، گال یا کوئی میز کرسی بھی ہو سکتی ہے۔ آپ سمجھتی ہیں کہ وہ کاٹنے لگی ہیں تو انھیں مارنے کی کوشش کرتی ہیں، جب آپ انھیں مارنے کی کوشش کریں گے تو جان بچانے کے لیے وہ کاٹیں گی نہیں تو کیا کریں گی؟"

"اوہ! یعنی اگر ہم انھیں کچھ نہ کہیں تو وہ کاٹیں گی بھی نہیں؟" چنبیلی نے کہا۔

"بالکل نہیں۔ ہم انھیں سکھاتے ہیں کہ کسی کو تکلیف دینا اچھی بات نہیں۔"

"شکریہ ملکہ مکھی! آج آپ سے مجھے بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔"

چنبیلی نے نیچے اترتے ہوئے کہا۔

"ننھی بچی! آپ کا بھی میری مدد کرنے پر بہت شکریہ..... خدا حافظ!"

چنبیلی نیچے اتر آئی۔ وہ آج بہت خوش تھی۔ اُس نے طے کر لیا تھا کہ آج جو کچھ سیکھا ہے اس پر ہمیشہ عمل کرے گی اور دوسروں کو بھی بتائے گی۔

☆.....☆☆

بقیہ: میر حجاز

"ہاں ابوالحکم کا منہ بند کروانے کے لیے اس کے خاندان کا آدمی بڑا اہم ہے، لیکن کوئی چوتھا بھی ڈھونڈ لو۔"

ہشام اس کے پاس سے اٹھ کر ابوالبختری کے پاس پہنچا جس نے حکیم بن حزام کے دفاع میں اُونٹ کی ہڈی مار کر ابوالحکم کا سر پھوڑ دیا تھا۔

اس نے اسے بھی تیار کر لیا، پھر ہشام وہاں سے سیدھا زمعہ بن الاسود کے پاس پہنچا اور اسے بھی تیار کر لیا۔

"عدی بن قیس کو بھی ان میں شامل کر لو۔" زمعہ بن الاسود نے کہا۔

(ان افراد میں سے ہشام، زہیر اور عدی بن قیس کو قبول اسلام کی توفیق ملی۔)

پھر ان سب نے رات کو ایک مقام پر جمع ہونے کا پروگرام بنایا۔ رات کی تاریکی میں مکہ معظمہ کے بالائی مقام خم الحجون پر ایک ایک کر کے وہ تمام جمع ہو گئے اور پھر انہوں نے خانہ کعبہ میں معلّق معاہدے کے نوشتہ کو توڑنے کا باہمی عہد کیا۔

زہیر ابن ابی امیہ نے کہا:

"صبح کی مجلس میں بولنے کی پہل میں کروں گا۔ کل صبح صحن حرم میں کھڑا ہو کر میں اس معاہدہ کے باطل ہونے کا اعلان کروں گا"۔

☆.....☆

صبح روشن ہوئی تو قریش حسبِ معمول صحن حرم میں برپا مجالس میں بیٹھے تھے۔ زہیر صحن حرم میں داخل ہوا تو اس نے سات مرتبہ کعبے کا طواف کیا اور پھر اس مجلس میں بیٹھ گیا جہاں دشمنِ اسلام ابوالحکم عمرو بن ہشام بیٹھا ہوا تھا۔

زہیر ایک قیمتی اور نفیس ریشمی پوشاک زیب تن کیے ہوئے ایک خاص تمکنت کے ساتھ مجلس میں شریک ہوا اور موقع پاتے ہی اس نے بلند آواز سے کہا:

"اے مکہ والو! کیا یہ بات ہمیں زیب دیتی ہے کہ ہم تو لذیذ کھانے کھائیں، زرق برق لباس پہنیں اور خاندان بنو ہاشم کے مرد و خواتین بھوک سے تڑپ رہے ہوں، کچھ خریدنا چاہیں تو خرید نہ سکیں۔ خدا کی قسم! میں اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا جب تک اس ظالمانہ اور قرابت شکن نوشتے کو تار تار نہ کر دوں۔"

زہیر کی یہ بات سن کر ابوالحکم بھنّا اٹھا اور چلانے لگا، لیکن ایک کے بعد ایک باقی چاروں نے اس کے سامنے زہیر کی تائید میں بولنا شروع کر دیا۔

اتنے سارے افراد کی ایک ہی بات کی تائید سن کر ابوالحکم بھنّا گیا اور اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

(جاری ہے)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

☆ شمارہ ۱۰۹۱ میں کاوش صدیقی کی کہانی 'دیر نہیں لگتی' بہت اچھا سبق سکھا گئی۔ 'ڈاکٹر نوید احمد کی یاد میں' تحریر پڑھ کر ان کی موت کا بہت افسوس ہوا۔ اللہ مرحوم اور ان کے والد مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کے گھر والوں کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔ 'ماں' تحریر پڑھ کر آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ 'صرف محتاط' والی بہنا بنت عبدالقیوم! حوصلہ رکھیں یہ ہر بہن کی کہانی ہے۔ بھائیوں کا دن بھلا بہنوں کو تنگ کیے بغیر گزر سکتا ہے؟ چچا ایک درخواست، التجا یا فرمائش سمجھ لیجیے، آپ بھی اپنے عمرے کا سفرنامہ لکھیں نا۔ ابھی پانچ سال ہی تو ہوئے ہیں۔ یہ مبارک سفر تو کبھی بھی نہیں بھولتا۔

(بنت ملک اشرف۔ گڑھا موڑ)

ج: بھولتا تو واقعی نہیں، مگر باوجود کوشش کے ہم سے اس مبارک سفر کی روداد نہیں لکھی جاتی۔ اُن کیفیات کو کوئی کیسے بیان کرے۔ سیدھا سادا اندازِ بیاں ہمیں آتا نہیں اور پُرکاری پر ریاکاری کا شبہ ہوتا ہے!

☆ شمارہ ۱۰۸۷ کی دستک میں آپ نے ہمیں ایک بڑی قیمتی بات کا سرا تھما دیا۔ واقعی موضوعات کا تنوع میگزین کی دلچسپی کو بڑھا دیتا ہے۔ 'ان کے کوچے میں' حرمین کے سفرنامے کی پہلی قسط ہی شاندار رہی۔ 'پھول کا راز' یہ جاسوسی کہانی بھی حیران کن تھی۔ 'خستہ حال گدھا' حدیث کو مکالمے کے انداز میں ڈھالا گیا بہت خوب۔ 'قصور' اس تحریر کے غیر متوقع انجام نے ہمارے دل کو گھائل کر کے رکھ دیا۔ ۱۰۸۸ کی جب دستک پڑھی تو ایک نئے جذبے کے ساتھ ورق پلٹا۔ 'عجیب خواہش' قربانی کی مناسبت سے یہ دلچسپ کہانی رہی۔ 'میر حجاز' کا لطف ہی کچھ اور ہے۔ 'ہوشیار رہیں' حالت سفر میں ٹھگ بازوں سے محتاط رہنے کی تلقین۔ ہمارا بھی ایک شاطر سے پالا پڑا تھا۔ آپ کا شکریہ کہ ہمارا خط شائع کیا۔ (محمد عربی۔ نوشہرہ جدید)

ج: آپ کا بھی مستقل خط لکھنے کا شکریہ۔ آپ کا نام ماشاء اللہ بہت منفرد اور جدید سا لگتا ہے، نوشہرہ جدید کی طرح۔

☆ شمارہ ۱۰۸۷ کی دستک میں آپ نے اپنی چاہت ہم پر آشکار کی۔ ان شاء اللہ عمل کریں گے۔ 'قصور' محمد ارسلان صدیقی کی اچھی تحریر تھی۔ 'ساڈا کی اے؟' نئے موضوع کے ساتھ بہت زبردست تحریر تھی۔ واقعی میں نت نئے عنوان قاری کو اپنی جانب متوجہ کرتے ہیں۔ دو من ٹینڈے پک چکے ہیں بس غیر حاضر دماغ نمائندے کا انتظار ہے کہ وہ آ کر جشن کا افتتاح کریں۔ 'پھول کا راز' تحریر اچھی لگی۔ 'نیوز چینل' کی تو بات ہی الگ ہے۔ میری دیرینہ خواہش تھی کہ کبھی میرا ذکر بھی نیوز چینل میں آئے! (بنت مولوی شبیر احمد۔ وہاڑی)

ج: خواہش تھی یا ہے؟

☆ چچا جان! میرا نام حفصہ ہے۔ میں دہم جماعت میں پڑھتی ہوں۔ میری عمر ۱۳ سال ہے۔ مجھے شمارہ ۱۰۹۰ میں 'جگت بابو' کہانی بہت اچھی لگی۔ چچا جان! یہ میرا پہلا خط ہے شائع ضرور کیجیے گا۔

(بنت امتیاز۔ ڈسکہ)

ج: ماشاء اللہ صرف تیرہ سال کی عمر اور دسویں جماعت! جیتی رہیں۔

☆ شمارہ ۱۰۹۰ سامنے ہے۔ ہم اچھے بچوں کی طرح دستک دے کر شمارے کے اندر داخل ہوئے۔ محمد رجب علی کی 'ایک لکیر' ایک سبق' نے زبردست سبق دیا۔ 'بجوکا جن' پڑھ کر بہت ہنسی آئی۔ 'میر حجاز' بہت اچھا جا رہا ہے۔ 'مظلوم معمار' پڑھ کر بادشاہ کے ظلم پر بہت غصہ آیا۔ 'جواہرات سے قیمتی' یہ سلسلہ مجھے بہت زیادہ پسند ہے۔ 'جگت بابو' پڑھ کر ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ امی جان نے گھورا تو ہمارے دانت اندر ہوئے۔ آمنے سامنے کی محفل میں اپنا خط نہ پا کر اداس ہو گئے۔ چچا جان میں نے دیکھا ہے کہ آپ اکثر خطوط کے جواب گول کر جاتے ہیں، اگر آپ نے ہمارے خط کا جواب گول کیا تو ہم آپ سے ناراض ہو جائیں گے۔ اللہ آپ کو دنیا و آخرت میں سرخرو فرمائے، آمین!

(شہزیب بن عبدالستار۔ ڈسکہ)

ج: ہمارا کوئی ایک "گول" جواب آپ دکھا دیں تو جو مدیر کی سزا وہ ہماری!

☆ جھنگ والے اتنے بھی سنگدل نہیں کہ آئے ہوئے مہمانوں کی خدمت نہ کر سکیں۔ شمارہ ۱۰۹۶ میں آپ نے اپنی دستک میں جھنگ والوں سے پھر ملاقات ہو جائے گی، کہا اور آگے اسلام آباد چلے گئے۔ کیا بابا حاجی اشتیاق احمد اور بھائی ڈاکٹر نوید احمد رحمۃ اللہ علیہ اس دنیا سے چلے گئے ہیں تو سارے جھنگ والے اللہ میاں کے پاس چلے گئے ہیں؟ چلو کوئی بات نہیں آپ کی مرضی۔ بچوں و خواتین کا اسلام سے ناتا تو برقرار رہے گا۔ چاہے آپ مدیر رہیں یا نہ رہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ہمارا یہ خط آپ ہرگز شائع نہیں کریں گے۔

(حاجی جاوید اقبال ساقی۔ چک احمد آباد، ضلع جھنگ)

ج: دیکھ لیجیے، آپ کا کم از کم یہ دعویٰ تو غلط ثابت ہوا کہ ہم یہ خط ہرگز شائع نہیں کریں گے۔ جواب تو پچھلے شمارے کی دستک میں آپ نے پڑھ لیا ہوگا۔ خوش رہا کریں۔ آپ بہت اچھے بھائی ہیں۔

☆ شمارہ ۱۰۹۲ کی دستک میں مدیر مکرم ایک تصوراتی سفر میں بہاولپور کی دو لکھاری بہنوں کے تحفے سمیٹتے، جامعہ مدینۃ العلم میں مفتی جمیل الرحمن عباسی صاحب سے شاندار ملاقات کرتے اور مدینۃ الاولیاء ملتان میں خرم فاروق ضیاء صاحب سے اشعار سنتے نظر آئے۔ پلاسٹک کی کہانی فوزیہ خلیل صاحبہ کے قلم سے سائنسی معلومات سے بھرپور تھی۔ آمنے سامنے کی محفل میں چار خط روشنیوں کے شہر کراچی سے روشنی بکھیرتے نظر آئے، دو خط جھنگ سے، اس کے ساتھ حاصل پور، پشاور، سانگھڑ، ٹنڈو آدم وغیرہم سے سولہ صفحات کے مختصر رسالے میں پورے ملک کی نمائندگی کر رہے تھے۔ "بلی اور ہم" راحیل یوسف ہنستی کی مسکراتی تحریر ہے۔ شگفتگی، مزاح بلی پھر واپس آ گئی، واہ کیا بات ہے۔ 'وقت بتائے گا' عائشہ غضنفر اللہ بہن کے قلم سے شاندار، جاندار، دلوں کو چھوتی، آنکھوں میں نمی اتارتی، 'میر حجاز' اور 'ان کے کوچے میں' کے بعد رسالے کی سب سے موثر تحریر۔ محمد فضیل فاروق صاحب کی پختگی تحریر نے دل و دماغ کو جکڑے رکھا۔ میر حجاز اختر حسین عزمی صاحب کے قلم سے حبشہ ہجرت کے احوال کے گرد گھومتی ہوئی موجودہ قسط۔ 'پانچ فرق تلاش کریں' ذہنی ورزش، ہم نے پانچ فرق تلاش کر ہی لیے۔ مختصر لکھنے کی ناکام کوشش کی۔ شاید ہمارا مزاج نہیں، معذرت!

(محمد اقراش عاصم۔ میلی پیر بخش، خوشاب)

ج: آپ کا مزاج نہیں تو کیا ہوا، ہم ہیں ناں خط مختصر کرنے کے لیے۔ دیکھ لیجیے کتنا مختصر کر دیا!

☆ شمارہ ۱۰۹۱ کی دستک آپ نے 'ٹنڈو آدم' کے نام کر دی۔ دل اتنا خوش ہوا، اتنا خوش ہوا کہ بس کیا بتائیں! ایک تو ہمارے شہر زرنگار کا ذکر خوشی کا باعث بنا اور دوسرا آپ نے ہمارا نام بھی شامل کر دیا، وہ بھی بدایوں کے پیڑے کے ساتھ، یعنی چپڑی اور دو دو! دل سے آپ کے لیے ڈھیروں ڈھیر دعائیں نکلیں۔ (بنت البحر۔ ٹنڈو آدم)

ج: چلیں تصوراتی بدایوں کے پیڑے کھلا کر ہی آپ خوش ہو گئیں۔ اسے کہتے ہیں کہ ہینگ لگے نہ پھٹکری رنگ چوکھا آئے!

☆ شمارہ ۱۰۹۱ میں 'ماں' نے غمزدہ کر دیا۔ 'کچھ ضروری باتیں'، جواہرات سے قیمتی' سے کافی کچھ سیکھنے کو ملا۔ 'ٹیلی فون' اور مسکراہٹ کے پھول کافی خوشبودار تھے۔ 'میر حجاز' اور 'ان کے کوچے میں' بہت زبردست سلسلے چل رہے ہیں۔ 'صرف محتاط' پڑھ کر اپنے آپ کو بالکل غیر محتاط قارئین میں پایا۔

(حافظ میر محمد بن عاصم حفیظ میر۔ لاہور)

ج: نہ بہت زیادہ محتاط اچھا ہوتا ہے نہ غیر محتاط۔ فائدہ اعتدال ہی میں ہے۔

☆☆☆